27/03/02

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

قربانی کے دن آدمی کا کوئی عمل خدا کے نزدیک
قربانی کا خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ قیامت کے روز
قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ خدا کے حضور
آئے گا اور خون کا قطرہ گرتے ہی اللہ تعالیٰ قربانی کو قبول فرمالیتا
ہے۔ پس تم دل کی پوری رغبت سے اس فریضے کو ادا کرو۔
(جامع ترمذی)

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

جلد نمبر ۱۸

ذوالقعدہ و ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ
جنوری و فروری ۲۰۰۶ء

شمارہ ۱-۲

مدیر مسئول
ابوالمکارم ازہری

معاون مدیر
انیس احمد فلاحی مدنی

☆ سالانہ زرتعاون: ۵۰ روپے
☆ خصوصی زرتعاون: ۱۰۰ روپے
☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر

☆ طلبہ کے لیے: ۳۰ روپے
☆ اعزازی زرتعاون: ۱۰۰۰ روپے
☆ اس شمارہ کی قیمت: ۱۰ روپے

◯ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے
لہٰذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ مجلہ حیات نو، جامعۃ الفلاح
بلریا گنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱

Phone:05466-25115

نقوش حیات نو

○ اداریہ

نیا تعلیمی سال اور اس کے تقاضے — انیس احمد فلاحی — ۳

○ نور ہدایت

حضرت نجاشیؓ — ابو جلیس ندوی — ۵

○ بحث و نظر

ظہور مہدی — یوسف بن عبد اللہ — ۱۵

حکومت الہیہ کا بنیادی اصول — مفتی کلیم رحمانی — ۲۰

سیرت نبوی کی تدوین میں محمد بن اسحاق کا رول — عبد الشافی محمد عبد اللطیف — ۲۳

○ اصول مباحث

فن جرح و تعدیل ایک مختصر تعارف (آخری قسط) — ڈاکٹر رحمۃ اللہ احمد امان — ۳۱

○ مذاہب عالم

ہندو دھرم میں عبادات کا تصور — انیس احمد فلاحی — ۳۳

○ تعارف و تبصرہ

سفینۂ تحقیق — ابو عبد الرحمن عمار فلاحی — ۴۲

○ جامعہ کے لیل و نہار

قربانی اسکیم — ادارہ — ۴۳

نئے تعلیمی سال کا آغاز

جامعۃ الفلاح ویب سائٹ پر

دعائے صحت

تفسیر و حدیث میں تخصص کا قیام

مولانا مودودی سیمینار کا تعارف و خاکہ

*****

اداریہ

نیا تعلیمی سال اور اسکے تقاضے

انیس احمد فلاحی

مسلمانوں کے عہد ترقی میں علم وعمل اور فکر وسلوک کے درمیان کبھی فاصلہ نہ رہا۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کی شدید مذمت کی گئی ہے جنکے قول وعمل میں تضاد پایا جائے، اسی لیے ہمارے معاشرے میں کوئی ایسا مفکر یا دانشور نہیں گزرا ہے، جو عصری حیات سے لاتعلق رہا ہو۔

ہمارے سلف صالح میں ہر علم وفن کے ماہر رہے ہیں جن کا عملی زندگی سے بھرپور رشتہ رہا ہے، ہمارے علماء نے علم کو انسانیت کی فلاح وبہبود اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ بنایا، کبھی اسے ذاتی وشخصی منفعت کے لیے استعمال نہ کیا، آج جس تہذیب کا پورے عالم پر تسلط وغلبہ ہے اگرچہ وہ بھی علم پر قائم ہے، لیکن ایسے علم پر جس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس کا مقصد اقوام عالم کی خیر خواہی ہے، بلکہ اس کا مقصود شہوات وخواہشات کی تکمیل اور صرف عارضی ومادی فوائد ہیں، ان مقاصد کے حصول کے لیے مغربی تہذیب اپنے تمام ذرائع لگا دیتی ہے اور ہر وہ طریقے اختیار کرتی ہے جو اسکے مادی اغراض کی تکمیل میں معاون ہوں، خواہ اخروی لحاظ سے وہ کتنے ہی نقصاندہ کیوں نہ ہوں بلکہ اگر اسکے مضر اثرات آئندہ نسلوں پر پڑنے والے ہوں تو اسکی بھی انہیں پرواہ نہیں۔

یہ دیکھئے ایٹمی تجربات کے مضر اثرات، فضاؤں کی آلودگی، پانی کے ذخیروں کی تلویث، ظلم وتشدد پر قائم یہ سودی نظام، اقوام وملل کے حقوق کی پامالی، احترام انسانیت کا فقدان، اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے پوری پوری قوم کے اوپر بموں کی بوچھار، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

قتلُ امرئٍ في غابةٍ جريمةٌ لا تغتفر   وقتلُ شعبٍ آمنٍ مسألةٌ فيها نظر

کسی بیابان میں ایک شخص کا بھی قتل ناقابل معافی جرم ہے لیکن امن وسکون سے رہنے والی پوری پوری قوم کو ویران وبرباد کر دینا کوئی قابل غور مسالہ نہیں ہے۔ یہ ہے مغربی اقوام کا طرز عمل بلکہ حالت یہ ہے کہ موجودہ علم نے تو پوری انسانیت کی جڑیں ہلا دی ہیں اور انسانوں کے مستقبل کو خطرے میں ڈال دیا ہے اور ان پیچیدہ مسائل کے حل میں مغربی تہذیب مشکل گھڑی ہے۔ ایسے حالات میں ایسے علماء وفقہاء کی شدید ضرورت ہے جو زندگی کے جملہ پیچیدہ امور ومسائل کے حل کے لیے اجتہاد کر سکیں

اوران کا اسلامی حل پیش کر سکیں۔ اور اس اجتہاد کے لیے ایک جانب فقہ اسلامی پر مکمل عبور ضروری ہے تو دوسری جانب عصر حاضر کے چیلنجز و مسائل کا مکمل ادراک بھی ناگزیر ہے۔

غور کیجیے فارس و روم کی فتوحات کے بعد کیا علماء کے سامنے ایسے ہی پیچیدہ و تہذیبی مسائل نہ تھے۔ لیکن ہمارے علماء نے سخت جدو جہد کی اور جملہ علوم و فنون، عقیدہ و فقہ، لغت، الٰہیات، ریاضیات، کیمیا، وغیرہ کے ماہرین پیدا کیے جنھوں نے سابقہ تہذیبوں کا گہرا مطالعہ کیا اور ان کے مفید مطالب کو لے لیا اور غیر مفید مطالب کو چھوڑ دیا جس سے اسلامی تہذیب کو اقوام عالم کی تہذیبوں پر نہ صرف فوقیت حاصل ہوئی بلکہ اس کو اقتدار نصیب ہوا اور بقیہ تہذیبیں فنا ہو گئیں۔ آج اسی عمل کو دہرانے کی ضرورت ہے عصری علوم و فنون کے ماہرین بلکہ ہر ہر فن میں ماہرین کی ایک ایسی ٹیم تیار کرنے کی ضرورت ہے جسے اسلامی عقائد و نظریات پر کامل یقین ہو اور جو اجتہاد و جہاد کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو تاکہ ان کی کوششوں سے ایک بار پھر مغربی تہذیب پر اسلامی تہذیب کا غلبہ ہو اور دنیا کے پیچیدہ و معقد مسائل حل ہوں۔ ☆☆

(صفحہ ۴۳ کا بقیہ)

اور بہت سے امداد پانے والے اسکولوں نے باضابطہ دینی تعلیم کا آغاز کیا اور اب تک چل رہا ہے۔ چنانچہ اس کا اتنا فائدہ ضرور ہے کہ وہاں تعلیم پانے والی نئی نسل الحاد و دہریت اور شرک وارتداد سے کسی قدر محفوظ ہے اور دین اسلام سے بالکل بے بہرہ نہیں رہتی۔ اگر اس تجربے اور سلسلے کو اور منظم کیا جائے، اور آگے بڑھایا جائے تو بہت مفید نتائج حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ پچھلے چند سالوں میں کیرل اور تمل ناڈو کے بعض اداروں نے نیز کوکن ایجوکیشن اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ بھی نے علاقہ کوکن میں کچھ پیش قدمی کی ہے۔ جس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہو رہے ہیں۔ ان کے تجربات سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

پروفیسر اکبر رحمانی صاحب نے ''آموز گار'' کے ذریعہ اس طرح کے بہت سے پہلو اجاگر کر کے ملت کے لیے رہنمائی کا سامان فراہم کیا ہے اور اب تک کیے جا رہے ہیں جو ملت کے اوپر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔ اللہ انھیں اجر جزیل سے نوازے اور تادیر ان کا سایہ باقی رکھے۔ آمین ثم آمین۔ ☆☆

نور ہدایت

حضرت نجاشیؓ

ابو جلیس ندوی

تابعین کا ذکر خیر ہو تو ہیرے کی کنی کی طرح ان میں دمک اٹھے، صحابہ کی منقبت ہو تو صحابیت کی شان جمال اس کے ماتھے کو منور کر دے۔ شرف و بزرگی کی بارگاہ بلند میں اس کا مقام اتنا عالی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اس نے متعدد محبت نامے لکھے اور آپ ﷺ نے بھی اپنے متعدد والا ناموں سے اس کو سرفرازی بخشی۔

اس کی شخصیت کے روپ نگر میں اعزاز و افتخار کی یہ رنگ آمیزی کتنی رشک انگیز ہے کہ وفات کے بعد رسول اکرم ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔ اس سعادت میں کوئی اس کا شریک و سہیم نہیں۔

آخر وہ کون ہے؟ کیا ہے؟ کہاں کا رہنے والا ہے؟ آئیے اس کی زندگی میں جھانک کر دیکھیں۔ ممکن ہے کہیں کوئی ایسا پہلو نکل آئے جو ہمارے ایمان کی بجھی ہوئی چنگاری کو شعلہ شرر میں تبدیل کر دے، اور زندگی کے ٹھہرے ہوئے سمندر کو اضطراب و تموج کی گرمی و لذت سے آشنا کر دے۔

اس کا نام اصحمہ بن ابجر ہے۔ جسے دنیا نجاشی کے لقب سے جانتی ہے۔ اصحمہ کے والد حبشہ کے بادشاہ تھے اور وہ ان کا اکلوتا شہزادہ۔

حبشہ کے متعدد طبقات کہا کرتے تھے کہ اصحمہ کے سوا بادشاہ کے کوئی دوسری اولاد نہیں ہے اور اس کے پچھن اچھے نہیں ہیں۔ اگر وہ بادشاہ ہو گیا تو ملک و قوم کی دیرینہ روایات تاراج ہو جائیں گی اور ہماری دینی اساس بھی تہ و بالا ہو جائے گی۔ اس لیے ملک و قوم کی خیر خواہی کا تقاضہ ہے کہ اس کے والد کو قتل کر دیا جائے تاکہ وہ بڑا ہو کر باپ کی جگہ بادشاہ نہ بن پائے۔ شیطان مسلسل وسوسہ اندازی کرتا رہا اور ان کے اندیشے دن بدن فزوں تر ہوتے گئے بالآخر انھوں نے بادشاہ کو قتل کر دیا اور بادشاہ کے بھائی کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ انھیں امید تھی کہ اس کے بارہ شہزادے امور مملکت میں بھی اس کی مدد کریں گے اور اس کے بعد اس کے وارث اور بادشاہ بن کر ملک و قوم کو فلاح و بہبود کی راہ پر رواں دواں رکھیں گے۔

اصحمہ اب اپنے چچا کے سایۂ عاطفت میں آ گئے۔ رفتہ رفتہ اس کی ذہانت، معاملہ فہمی، دور اندیشی، ہوش مندی، اصابت رائے اور قوت اظہار و بیان کے جوہر کھلتے اور نکھرتے رہے یہاں تک کہ اس کے چچا اس کی صلاحیت اور لیاقت و لیاقت کو دل دے بیٹھے اور اس کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ اپنے بیٹوں سے زیادہ اسے چاہنے اور جاننے ماننے لگے۔

مقتدر طبقات کی آنکھوں میں یہ بات بھی کانٹے کی طرح چبھنے لگی۔ انھوں نے باہم مشورے کیے اور ایک رائے ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یوں عرض گذار ہوئے:

عالی پناہ! ملک و قوم کے اہم ترین معاملات میں آپ اصحمہ کی رائے پر ہی انحصار کرتے ہیں۔ یہ چیز ہمارے لیے حد درجہ تشویشناک ہے۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ شاہی امور و معاملات پر اس کی گرفت اسی طرح مضبوط ہوتی گئی تو ایک دن وہی بادشاہ بن جائے گا۔ آپ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں اور اسے بھی معلوم ہے کہ اس کے باپ کا قتل ہم نے کیا ہے۔ اگر وہ بادشاہ بن گیا تو اپنے باپ کے قتل کے انتقام میں ہم سب کو تہ تیغ کر دے گا اس لیے ہماری یہ درخواست ہے کہ اس کو قتل کر دیجیے۔

بادشاہ کا تیور آنچ دینے لگا۔ برافروختہ ہو کر بولا "بخدا تم لوگ بڑے بدباطن ہو۔ ابھی کل کی بات ہے اس کے باپ کے خون سے تم نے اپنے اندیشوں کی دیواریں گرائی تھیں۔ آج پھر انھیں موہوم اندیشوں کی خوں خوار آنکھوں سے دہشت زدہ ہو کر تم اس سے بھی اس کی زندگی کا حق چھین لینا چاہتے ہو۔ بخدا یہ سنگین ظلم ہے۔ قطعاً گوارا نہیں کیا جائے گا۔"

لوگوں کے تیور بگڑنے لگے۔ شورش برپا ہوئی بادشاہ نے فہمائش کی ہر ممکن کوشش کی لیکن ہنگامہ تیز سے تیز تر ہوتا رہا۔ آخر لوگ اس بات پر رضامند ہوئے کہ اصحمہ کو قتل کرنے کے بجائے ملک بدر کر دیا جائے تاکہ اس کے بادشاہ بننے کا کوئی امکان نہ رہے۔

اصحمہ کو جلاوطن کر دیا گیا۔ اس کو ملک بدر ہوئے ابھی دو ہی دن گذرے تھے کہ آسمان پر کالے کالے بادلوں کی ٹکڑیاں نمودار ہوئیں اور رفتہ رفتہ پورے افق پر محیط ہو گئیں۔ سورج اپنی کرنوں کے لاؤ لشکر کے ساتھ قید تیرگی میں چلا گیا۔ فضائیں تیرہ و تار ہو کر بھیانک ہو گئیں پھر آسمان نے قہر و غضب کی وہ قیامت برپا کی کہ روزن دیوار سے باہر جھانکنے کا یارا بھی کسی کو نہ رہا۔ اسی مرج اور کڑک میں اچانک ایک بجلی تڑپ کر شاہی محل پر گری اور بادشاہ کا کلیجہ چیر گئی۔

آسمان کا قہر ٹھنڈا ہو گیا آندھیاں تھم گئیں، بادلوں کی ٹکڑیاں بھی رخصت ہو گئیں، سورج آزاد ہو کر چمکنے لگا۔ فضائیں صاف و خوش گوار ہو گئیں۔ اب لوگ ماتم کناں شاہی محل کی طرف دوڑے۔ بادشاہ فوت ہو چکا تھا۔ اس کی آخری رسم ادا ہوئی پھر جانشینی کا مسئلہ اٹھا۔

شاہزادوں میں ہر ایک کو ٹٹولا گیا۔ کوئی اس لائق نہ نکلا کہ وارث و بادشاہ بن سکے۔ دن بیتتے گئے جانشینی کا مسئلہ الجھتا گیا۔ ادھر ہمسایہ ممالک نے داخلی ابتری دیکھی تو منصوبہ بنایا کہ حملہ آور ہو کر حبشہ کو اپنا باجگذار بنا لیں، اپنی قلمرو میں شامل کر لیں۔ صورت حال کی نزاکت کا احساس ہر کہہ و مہ کو سرگراں بنائے ہوئے تھا۔ سب جتنائے تشویش و اضطراب تھے امید کی کوئی کرن کہیں سے پھوٹتی نظر نہ آئی تو کچھ سن رسیدہ بزرگوں نے مشورہ دیا کہ اصحمہ کے سوا کسی دوسرے شخص میں وہ دیدہ وری و جہاں بینی نہیں جو نازک ترین درپیش حالات میں ملک کی آبرو بچا سکے۔

سب نے یک آواز کہا "اصحمہ کو واپس لایا جائے۔"

اصحمہ کو ملک بدر کر کے کس مپری کی حالت میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا اسے تلاش کیا گیا اور پھر شاہی اعزاز کے ساتھ حبشہ واپس لایا گیا۔ تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی اور سب نے کورنش پیش کر کے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اس کے بعد اسے نجاشی کہا جانے لگا۔ جو حبشہ کے بادشاہوں کا لقب ہوا کرتا تھا۔

بادشاہ ہو کر اپنی خداداد صلاحیت سے اس نے ایسے جوہر دکھائے کہ سارا ملک اس کا گرویدہ ہو گیا۔ اب ملک کی سرحدیں محفوظ ہو گئیں، جور و ظلم کا خاتمہ ہوا اور امن و امان کی مطمئن زندگی اہل حبشہ کا مقدر بن گئی۔

ادھر حبشہ میں نجاشی سریر آرائے تخت سلطنت ہوا ادھر مکہ میں اللہ کی رحمت کاملہ کا ظہور ہوا یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ نے نبوت کا اعلان کیا اور توحید کا اجالا پھیلانا شروع کیا تو ہدایت و حق پرستی کے متوالے پروانوں کی طرح آپ ﷺ پر نثار ہو کر آپ ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے۔ ظلمتوں کی سیادت و قیادت کو خطرہ محسوس ہوا۔ قریش پوری قوت و طاقت اور جاہلی عصبیت و غرور کے ساتھ کوہ گراں بن کر اس کی راہ میں کھڑے ہو گئے۔ اب جو بھی اسلام کا شیدائی و فدائی بنتا ظلم و ستم کے آتش فشاں کی نذر کر دیا جاتا۔ اسے ایسی ایسی اذیتیں دی جاتیں کہ

پہاڑوں کا کلیجہ بھی شق ہو جائے آخر وادیِ مکہ کی وسعتیں انکی زندگی کے لئے تنگ ہو گئیں تو رحمتِ عالم ﷺ نے انکو ہجرت حبشہ کی راہداری دیدی، آپ نے فرمایا وہاں کے بادشاہ کی عدل گستری تمہارے لئے ہر ستم کے مقابلے میں ڈھال بن جائیگی، اسلئے وہاں پہنچ کر اسکی اماں جوئی کی کوشش کرو، مامون رہو گے تا آنکہ اللہ تعالیٰ ان ہی تنگیوں میں تمہارے لئے کوئی راہ کشادہ پیدا کر دے۔

اسی نفوس پر مشتمل مردوں اور عورتوں کا یہ ستم زدہ قافلہ سرزمین حبشہ کی طرف نکل پڑا، وہاں پہنچ کر انہیں پہلی بار محسوس ہوا کہ زندگی کی لذت اور امن و راحت کیا چیز ہے اور امن و راحت کے لمحے میسر ہوں تو عبادت خدا میں کیا کیفیت حاصل ہوتی ہے اور یادِ حبیب و ذکرِ رسول میں کیف و سرور کا کیا عالم پنہاں ہوتا ہے۔

قریش کو معلوم ہوا تو فوراً مجلس شوریٰ ہوئی طے پایا کہ بادشاہ سے مل کر ان کو حاصل کیا جائے اور وہیں قتل کر دیا جائے بیش قیمت نوادرات کے تحائف اکٹھا کئے گئے اور سب سے زیادہ آزمودہ کار اور جہاندیدہ، قریشی جوان عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ کو ان تحائف کے ساتھ حبشہ روانہ کیا گیا۔ حبشہ پہنچ کر یہ دونوں نجاشی سے پہلے اس کے مصاحبین و قائدین سے ملے، ان کو تحائف پیش کئے اور کہا:

ہمارے کچھ سر پھرے نوجوان آبائی دین سے برگشتہ ہو کر اپنے وطن سے بھاگ نکلے اور آپ کے ملک میں آکر پناہ گزیں ہو گئے ہیں، ہم بادشاہ سے ان کی واپسی کے لئے گفتگو کریں تو آپ لوگ بھی رائے پیش کریں کہ ان نوجوانوں کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ ان کے دین و قوم کے بارے میں کوئی سوال نہ کیا جائے، کیونکہ ان کی قوم کے لوگ انہیں اور ان کے دین کو نسبتاً زیادہ جانتے ہیں۔

پھر عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے، گرمجوش ہو کر سلامی دی۔ نجاشی نے بھی گرمجوشی سے ان کو خوش آمدید کہا کہ عمرو بن عاص سے اس کی دیرینہ شناسائی تھی۔ پھر سردارانِ مکہ بالخصوص ابوسفیان کا سلام پہنچاتے ہوئے تحائف پیش خدمت کیے۔

تحائف پر نظر پڑی تو نجاشی کی باچھیں کھل اٹھیں ایسے نوع بہ نوع قیمتی نوادرات اس نے کبھی نہیں دیکھے تھے، وہ بہت خوش ہوا اور دلی پسندیدگی کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔ عمرو بن عاص کو

یقین سا ہو گیا کہ اب اس کی بات مان لی جائے گی۔ فوراً عرض گذار ہوا:

عالی پناہ! ہمارے کچھ نادان اپنے آبائی دین کو چھوڑ کر فرار ہو گئے اور آپ کے ملک میں آکر پناہ گزیں ہو گئے ہیں، ایسا بھی نہیں کہ انھوں نے آپ کا دین عیسائیت قبول کیا ہو بلکہ ایک ایسے نئے دین کی طرح ڈالی ہے جسے نہ آپ ہی جانتے ہیں، نہ ہم ہی اس سے واقف ہیں۔ اسی لیے ہماری قوم کے شرفاء نے ہمیں آپ کی خدمت میں بھیج کر درخواست کی ہے کہ انھیں ہمارے حوالے کر دیں، کیونکہ انھوں نے جو نیا دین ایجاد کیا ہے اور اس کے ذریعہ قوم میں فتنوں کی جو شورش برپا کی ہے اس کی حقیقت کا اوراک زیادہ گہرائی سے وہی کر سکتے ہیں پوری بات سننے کے بعد نجاشی نے نظر اٹھائی مصاحبین اور قائدین کو دیکھا۔ انھوں نے ادب سے سر جھکایا اور عرض پرداز ہوئے:۔

"جہاں پناہ! ان دونوں کی بات درخورِ اعتبار و اعتناء بھی جانی چاہیے کہ ان کے دین کے بارے میں ہم پر چنداں علم نہیں۔ نجاشی گویا ہوا۔

"انصاف کا تقاضا ہے کہ ان سے بھی حقیقتِ حال معلوم کی جائے، اگر سچ مچ کوئی نیا دین و عقیدہ انھوں نے ایجاد کیا ہے تو انھیں ان کے حوالہ کر دیا جائے گا ورنہ ان کی نصرت و حمایت ہمارا اولین فرض ہوگا۔ پھر اس نے کہا میرے اوپر اللہ کا جو احسان ہے میں اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا، اس نے باغیوں سے مجھے محفوظ رکھا اور ان کے مکر و دغا کو ناکام بنا کے مجھے اپنے وطن میں عظمت و احترام کا مقام عطا فرمایا۔ پھر اس نے مہاجرین صحابہ کو بلایا تا کہ اپنی قوم کے روبرو اپنے دین و عقیدہ کی وضاحت کریں۔ وہ پناہ گزیں تھے، ہم سے گئے، باہم ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ غور کر لو دین و ایمان کا سوال ہوا تو کیا جواب دو گے، ان کے امیر نے کہا" دین و ایمان کا سوال ہوا تو معاملہ آسان ہے اللہ نے اپنی کتاب پاک میں اس کا جواب دے دیا ہے۔ وہ لوگ حاضرِ دربار ہوئے وہاں عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ پہلے سے موجود تھے۔ ان کے دائیں بائیں بادشاہ کے مصاحبین و دوسرے قائدین دستار باندھے اپنی کتابیں کھولے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں پہنچ کر انھوں نے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام عرض کیا اور مجلس کے آخر میں بیٹھ گئے۔ عمرو بن عاص نے ٹوکا یہ کیا گستاخی ہے تم لوگوں نے بادشاہ کو سجدہ نہ کیا۔ اعتماد و وقار کے لبوں سے جواب بلند ہوا سجدہ صرف اللہ کا حق ہے، کسی انسان کے لیے روا نہیں۔ نجاشی خوشی سے جھوم سا گیا۔ انھیں بڑی محبت بھری نگاہ سے دیکھا اور

ادب سے پوچھا تم نے جو نیا دین اختیار کیا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے۔ جب کہ ہمارے دین عیسائیت سے بھی تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ جعفر بن ابی طالب گویا ہوئے:

''عالی پناہ! نہ ہم نے کوئی بدعت ایجاد کی نہ کسی نئے دین کی داغ بیل ڈالی بلکہ محمد بن عبداللہ ﷺ کو اللہ نے اپنا نبی و رسول بنا کر ہماری ہدایت کے لیے مبعوث کیا وہ اپنے رب کی جانب سے نور ہدایت لے کر ہمارے پاس آئے، ہمیں تاریکیوں سے نکالا اور جاہلوں کا ہمرنگ بنا دیا، جاہلیت کی خونخوار عصبیت کی رگوں پر نشتر پھیرا اور ہمیں بھائی بھائی بنا دیا، ہماری زندگی گناہوں کا آشیانہ تھی اس نے نیکیوں کا گلدستہ بنا دیا، ہم پڑوسیوں کے لیے خوں خوار تھے اس نے ہمیں ان کا غم خوار و غم گسار بنا دیا، ہم طاقت و قوت کو خدا مانتے تھے اس نے کمزوروں اور بے بسوں کی یاوری کو ہمارا فرض قرار دیا ہم درندہ صفت تھے اس نے انسان دوست بنا دیا، ہم مردار کھاتے تھے، اس نے رزق حلال کا سبق پڑھایا۔ عالی پناہ! جہاں تک اس رسول مکرم کی ذاتی یا خاندانی حیثیت کا سوال ہے تو وہ اپنی قوم میں سب سے عالی نسب ہے۔ بچپن سے لے کر جوانی تک اس کی زندگی کا ایک ایک گوشہ چودہویں چاندنی کی طرح بے داغ ہے۔ اس کے معاملات میں صداقت و امانت کی روح اس طرح بولتی ہے کہ دشمن بھی اس کی تصدیق کیے بغیر نہ رہ سکے قریش مکہ خود اس کی پاک دامانی کی قسم کھاتے ہیں۔ عالی پناہ! اس رسول مقدس کا سرپا رسول ہے۔ اس کی ہر ہر ادا رسول ہے اس کی تعلیمات بتاتی ہیں کہ وہ رسول برحق ہے اس نے پتھروں کی عبادت سے روکا، اللہ واحد کی عبادت کا حکم دیا، نماز، زکوٰۃ، روزہ رمضان کا حکم دیا، راستبازی، امانت داری، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا اور حرام کاری اور ناحق خوں ریزی سے منع کیا، ہم نے اس کی تصدیق کی، اس کی رسالت پر ایمان لائے، اس کی لائی ہوئی آسمانی شریعت پر عمل پیرا ہو گئے۔ یہی ہمارا جرم تھا، جس کی بنا پر ہماری قوم دشمن بن گئی، اور ہماری جان و مال کے درپے ہو گئی، ہمیں عذاب و عقاب کی بھٹی میں جھونک دیا تا کہ اللہ واحد کی بندگی چھوڑ کر پھر پتھروں کو سجدہ کریں انھیں سے دعائیں مانگیں، لیکن حق پرستی کی راہ ہم پر روشن ہو چکی ہے، ہم دوبارہ شرک و بت پرستی کی طرف ہرگز پلٹ نہیں سکتے، اس لیے جب انھوں نے ہماری زندگی دوبھر کر دی تو ہم آپ کی پناہ میں آ گئے کہ آپ حق و انصاف کے علم بردار ہیں، آپ کے زیر سایہ رہ کر ہم ظلم و ستم سے مامون اپنے رب کی بندگی کر سکیں گے۔

نجاشی نے پوچھا تمہارے رسول کے پاس جو آسمانی ہدایات آئی ہیں ان کا کچھ حصہ تمہیں یاد ہے؟ حضرت جعفرؓ۔ ہاں یاد ہے۔ نجاشی۔ کچھ حصہ سنایا جائے۔ جعفرؓ نے سورہ مریم کی تلاوت شروع کی، نجاشی سنتا گیا اور آیت الٰہی کا نور لہجے کے سوز میں ڈھل کر اس کے دل کی ظلمتوں کو چیرتا گیا یکایک حق کا اجالا اس کی نگاہوں میں چمک اٹھا، وہ آبدیدہ ہو، پھر بے اختیار اس کی آنکھوں کے کٹورے چھلک پڑے، خوب خوب رویا، چہرہ بھیگ گیا، داڑھیاں تر بتر ہو گئیں، افاقہ ہوا تو دیکھا سارے پادری اور پوپ دم بخود رو رہے ہیں۔ اب ان کے ہاتھوں کے مصحف بھیگ کر ان کے گریہ صادق کی گواہی دے رہے ہیں۔ نجاشی اب عمرو بن عاص کی جانب متوجہ ہوا، گویا ہوا:

عیسیٰ کی انجیل مقدس اور یہ آیات مقدسہ ایک ہی فانوس کی قندیلیں ہیں، بخدا کسی صورت انھیں تمہارے حوالے نہیں کروں گا اور جب تک زندہ رہوں گا، کوئی اس معاملے میں میرے رخ کو بدل نہیں سکتا۔ مجلس برخواست ہو گئی۔ عمرو بن عاص کی زیرکی کے بنائے ہوئے گھروندے ٹوٹ کے بکھر گئے۔ وہ تلملاتے باہر آیا قسم کھا کر کہا کہ کل بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر ایسی بات کہوں گا کہ وہ خود ان کو لائق گردن زدنی قرار دے گا۔ عبداللہ بن ربیعہ کچھ نرم تھے، بولے، ایسا نہ کرو، آخر کو وہ بھی تمہارے رشتہ دار ٹھہرے۔ عمرو نے کہا بخدا کل ضرور بادشاہ سے ملاقات کروں گا اور ان کے سر قلم کرا کے رہوں گا۔ دوسرے دن وہ پھر حاضر دربار ہوا۔ عرض کیا:

عالی پناہ! ان لوگوں نے اپنے دین کی اصلیت کا ایک روپ ہی آپ کے سامنے ظاہر کیا دوسرا روپ جو انجانی ناگوار اور کریہہ ہے اسے چھپایا، ان کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ بندے ہیں۔ نجاشی نے صحابہؓ کو دوبارہ حاضر دربار ہونے کا حکم دیا، وہ آئے تو نجاشی نے پوچھا عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ جعفر بن ابو طالب نے کہا ان کے بارے میں ہمارے رسول نے جو کچھ بتایا وہی ہمارا عقیدہ ہے۔ نجاشی نے حکم دیا اس کی وضاحت کی جائے۔ جعفر بن ابو طالب گویا ہوئے، وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور وہ کلمۃ الٰہی جو اللہ نے مریم کو عطا کیا۔ نجاشی نے فیصلہ سنایا یقیناً عیسیٰ کی اصلیت و حقیقت وہی ہے جو تم نے بیان کی۔ اس کے پاس بیٹھے ہوئے پادریوں نے بھویں چڑھا لیں، نجاشی نے کہا تم بھویں چڑھاتے اور تیوریاں بدلتے رہو حقیقت وہی ہے جس کا اظہار انھوں نے کیا، پھر جعفر کو متوجہ کیا اور کہا:

جاؤ ہمارے ملک میں امن وامان کے سایہ میں زندگی بسر کرو، کوئی تمہارے درپے آزار نہیں ہوگا بخدا تمہاری اذیت کے بدلے سونے کا پہاڑ بھی پیش کیا جائے تو میں اس کو ٹھوکر مار دوں گا، پھر حکم دیا کہ عمرو بن عاص کے تحائف واپس کر دیے جائیں، باہر آ کر پادریوں نے غوغا برپا کیا کہ نجاشی عیسائیت سے برگشتہ ہوگیا، اسلئے اب بادشاہ رہنے کا اسکو کوئی حق نہیں، اسکی بیعت توڑ دی جائے، اہل حبشہ شاہی محل پر پل پڑے اور اسکی اطاعت و بیعت کا عہد توڑنے کا نعرہ لگانے لگے، صورت حال دگرگوں دیکھ کر اس نے جعفر بن ابی طالب کو بلایا، ان کو تمام ساتھیوں کے ساتھ کشتی پر سوار کیا اور کہا: آپ رونما ہونے والے حالات پر نظر رکھیں اگر ہم ہزیمت سے دوچار ہو جائیں تو آپ فوراً یہاں سے کہیں کوچ کر جائیں، اور اگر ہمیں فتح یابی ہوتی ہے تو اپنی جگہ مطمئن و برقرار رہیں، اپنے ہرن کی جھلی منگوائی، اسپر لکھا "اشهد أن لا إله إلا الله واشهد أن محمداً عبده ورسوله وخاتم رسله، واشهد أن عيسى عبده ورسوله وروحه وكلمته التي القاها الى مريم"

پھر اس جھلی کو اپنے سینہ پر باندھا اور اوپر سے قبا پہن لی اور باغیوں سے گفتگو کرنے پہنچے، ان کے روبرو ہو کر بادشاہ نے پوچھا، بتاؤ میری سیرت کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ جواب بلند ہوا، آپ کی سیرت لائق افتخار و اعتبار ہے، بادشاہ:- پھر شورش کس بات کی؟ عوام:- آپ مرتد ہو گئے ہیں، عیسیٰ کو بندہ کہتے ہیں، بادشاہ:- عیسیٰ کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ عوام:- وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ بادشاہ نے اپنا ہاتھ سینہ پر بندھی ہوئی جھلی پر رکھا اور کہا عیسیٰ اس (جھلی کی تحریر) سے ذرا بھی نہ کم ہیں نہ زیادہ، لوگوں نے سمجھا وہ ابن اللہ کا اقرار کر رہے ہیں پھر اس سے خوش ہو گئے اور شورش فرو ہوگئی، مسلمانوں کے ساتھ نجاشی کے احسانمندانہ سلوک کا رسول اکرم ﷺ کو علم ہوا تو دل میں اسکی قدر و منزلت کا احساس جاگا، پھر اس کے شیدائے اسلام ہونے اور قرآنی آیات کی تصدیق کی خبر معلوم ہوئی تو حد درجہ مسرور ہوئے، اسکے بعد نجاشی سے نبی اکرم ﷺ کے تعلقات میں بڑی قربت، گہرائی اور محبت کی وارفتگی پیدا ہوگئی۔

۶ھ کے آغاز میں آپ نے روئے زمین کے چھ بادشاہوں کو دعوتی خطوط لکھے، ان خطوط کے لئے آپ نے چھ ممتاز صحابہ کا انتخاب کیا، ہر ایک نے پہلے وہ زبان سیکھی جو اس کے مکتوب الیہ کی تھی

عمرو بن امیہ ضمری کو حبشہ بھیجا گیا۔ عمرو بن امیہ نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے۔ سلام و دعا کے تبادلے کے بعد مجلس آراستہ ہوئی تو انھوں نے نبی اکرم ﷺ کا مبارک والا نامہ پیش خدمت کیا۔ خط کھولا گیا۔ خط میں اسلام کی دعوت تھی اور کچھ قرآنی آیات مکتوب تھیں، نجاشی نے خط کو اپنی آنکھوں سے بوسہ دیا اور احتراماً تخت شاہی سے نیچے اتر آیا۔ پھر تمام حاضرین دربار کے سامنے کلمہ شہادت پڑھ کر اپنے اسلام کا اعلان و اظہار کیا اور کہا "اگر میرے بس میں ہوتا تو میں حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرتا، ان کے روبرو بیٹھ کر اپنا سر ان کے قدموں میں ڈال دیتا۔ پھر اس نے خط کا جواب لکھا، بتایا کہ وہ پہلے ہی ایمان سے بہرہ یاب ہو چکا ہے، عمرو بن امیہ ضمریؓ نے پھر دوسرا خط نکالا اور پیش کیا، اس خط میں اللہ کے رسول ﷺ نے ابو سفیان کی صاحبزادی رملہ کو پیغام نکاح بھیجا تھا، اور اس سلسلہ میں بادشاہ کو اپنا وکیل بنایا، رملہ کے پاس سابق شوہر سے ایک بچی تھی جس کا نام حبیبہ تھا اس لیے ام المومنین ہونے کے بعد انھیں ام حبیبہ کہا جانے لگا ام حبیبہؓ کی زندگی کے ابتدائی ابواب بڑے الم انگیز ہیں لیکن آخری ابواب فرحت و بشارت کا دلآویز مرقع۔ آئیے ایک سرسری نگاہ ان پر بھی ڈالتے چلیں۔

رملہ نے اپنا آبائی دین بت پرستی ترک کر دیا اور اپنے شوہر کے ساتھ شیدائے اسلام ہو گئیں، قریش کو معلوم ہوا تو تعذیب و تکلیف کے تازیانے برسانے شروع کر دیے آخر مکہ میں ان کی زندگی دوبھر ہو گئی تو حبشہ ہجرت کر گئیں۔ حبشہ پہنچ کر انھیں قدرے اطمینان محسوس ہوا۔ لیکن پردہ تقدیر میں ابھی سخت آزمائشیں ان کے نصیب میں تھیں۔ ان کے شوہر عبداللہ بن جحش نے مرتد ہو کر عیسائیت کے دامن میں پناہ لے لی اور شراب خوری کے عادی ہو گئے۔ انھوں نے بیوی سے کہا یا تو عیسائیت قبول کر لو یا پھر طلاق کے لیے تیار ہو جاؤ، ان کے سامنے اب تین ہی راستے تھے۔

۱۔ شوہر کی بات مان لیں اور عیسائی ہو جائیں، لیکن اس میں دنیا و آخرت دونوں کا زیاں تھا۔
۲۔ باپ کے پاس مکہ واپس چلی جائیں، لیکن وہاں کفر و شرک کی آغوش کھلی ہوئی تھی۔
۳۔ حبشہ ہی میں رہ کر اپنی بچی کے ساتھ پناہ گزینی کی زندگی گذاریں۔

انھوں نے اللہ اور رسول کی رضا کو اپنا مقصد زندگی بنا کر حبشہ میں پناہ گزیں رہنے کا فیصلہ کر لیا، ان کی زندگی کے یہ کرب انگیز لمحے زیادہ طویل نہیں ہوئے، شوہر نشہ کی حالت میں فوت ہو گئے،

ابھی عدت پوری ہی ہوئی تھی کہ شادو بخت کی گھڑی آ گئی صبح کے گھر بیٹے رات نے تھے کہ کسی نے دروازہ پر دستک دی دروازہ کھولا تو بادشاہ کی خادمہ کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اس نے کہا بادشاہ نے سلام پیش کیا ہے اور کہا ہے کہ محمد ﷺ نے آپ کو پیغام نکاح بھیجا ہے اور بادشاہ کو اپنی شادی کا وکیل بنایا ہے آپ بھی کسی کو اپنا وکیل نامزد کر دیں۔ ام حبیبہ کے دل کی خوشی گلاب بن کر ہونٹوں پر کھل اٹھی۔ خادمہ کو دعائیں دیں اور کہا خالد بن سعید بن عاص ہی یہاں میرے سب سے قریبی ہیں انھیں کو اپنا وکیل بناتی ہوں۔ نجاشی نے تمام مہاجرین صحابہ کو دربار میں جمع کیا پھر خطبہ نکاح پڑھا اور کہا ''اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ کا فرمان عالی ہے کہ میں رملہ بنت ابو سفیان کو ان کے عقد نکاح میں دیدوں۔ میں اس فرمان عالی کی تعمیل کرتا ہوں اور چار سو زریں دینار مہر کے عوض رملہ کو آپ ﷺ کے عقد نکاح میں دیتا ہوں۔ خالد بن سعید کھڑے ہوئے حمد و ثنا کے بعد کہا میں نے اپنی موکلہ رملہ بنت ابو سفیان کو رسول اکرم ﷺ کے عقد زواج میں دیا۔ اللہ مبارک کرے۔ نجاشی نے دو کشتیاں تیار کیں ایک پر ام حبیبہؓ کو سوار کیا اور دوسری پر حبشہ کے ان لوگوں کو جو دیدار حبیب کے مشتاق و آرزومند تھے۔ پھر جعفر بن ابو طالبؓ کو امیر مقرر کر کے مدینہ روانہ کیا۔ نجاشی کی بیگمات کے پاس جو قیمتی اور پسندیدہ خوشبوئیں تھیں وہ سب ام حبیبہؓ کو تحفے کے طور پر دے دیں۔ اس کے علاوہ بہت سارے تحائف رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں بھیجے۔ ان ہدیوں میں حبشہ کے تین بہترین عصا بھی تھے۔ ایک عصا اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے پاس رکھا ایک حضرت عمرؓ کو دیا اور ایک حضرت علیؓ کو مرحمت فرمایا۔

یہ عصا طویل زمانے تک عہد بہ عہد تمام خلفاء اسلام کو منتقل ہوتا رہا نجاشی نے ایک سونے کی انگوٹھی بھی ہدیہ کی تھی آپ ﷺ نے اس کی کوئی ضرورت نہ سمجھی تو اپنی نواسی امامہ بنت زینبؓ کو دیدی۔ فتح مکہ سے کچھ پہلے نجاشی کی رحلت ہوئی۔ رسول اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو تمام صحابہؓ کو اکٹھا کیا اور نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔ پوری اسلامی تاریخ میں نجاشی کے سوا کسی دوسرے کے لیے آپ ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ نہیں ادا کی۔ ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ نجاشی سے خوش ہو اور اسے بھی خلد بریں میں خوش رکھے۔ اس نے خوف کی حالت میں مسلمانوں کو امن کی دولت دی اور بے بسی کی حالت میں ان کو مضبوط سہارا فراہم کیا اور یہ سب کچھ اس نے صرف رضائے الٰہی کے لیے کیا۔ ✿✿

بحث ونظر

ظہور مہدی

یوسف بن عبداللہ بن یوسف الوابل
ترجمانی: ابو طوبیٰ فلاحی

آخری زمانے میں بیت نبوی سے ایک ایسے شخص کا ظہور ہوگا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو مضبوط کرے گا اور جو زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح ظلم و ناانصافی سے وہ بھری ہوئی ہے۔ ان کے عہد میں امت وہ خوش حالی اور فارغ البالی دیکھے گی جو اس نے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔ زمین اپنے پودوں کو نکال دے گی اور آسمان اپنے آخری قطروں کو نچوڑ دے گا اور بلا حساب مال سے نوازا جائے گا۔

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں ''آپ کے عہد میں پھل کثرت سے ہوں گے اور کھیتیاں سرسبز و شاداب ہوں گی، دولت کی فراوانی ہوگی، اسلامی اقتدار مضبوط ہوگا اور دین قائم ہوگا اور دشمن ذلیل و رسوا ہوگا، ہر جانب بھلائی ہی بھلائی ہوگی۔'' (النہایۃ فی الفتن والملاحم ۱/۳۱)

مہدی علیہ السلام کا نام اور صفت

آپ کا نام محمد یا احمد بن عبداللہ الہاشمی الحسنی ہوگا۔ آپ حسن بن فاطمہ کی نسل و ذریت سے ہوں گے۔

آپ کے ظہور کا مقام

آپ کا ظہور مشرق سے اس وقت ہوگا جب خانہ کعبہ کے نیچے مدفون خزانوں کے لیے زبردست لڑائی ہو رہی ہوگی۔ بیت اللہ کے پاس آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی۔

ظہور مہدی کے دلائل

مہدی علیہ السلام کا ظہور متعدد احادیث و آثار سے ثابت ہے۔ اس باب میں ۴۳۶ احادیث و آثار مروی ہیں۔ جن میں ۳۲ حدیثیں اور ۱۱ آثار صحیح اور حسن ہیں۔ نو حدیثوں اور چھ آثار میں مہدی علیہ السلام کا ذکر صراحۃً موجود ہے اور بقیہ میں ایسے اوصاف پائے جاتے ہیں جو صرف

مہدی علیہ السلام پر منطبق ہوتے ہیں (تفصیلات کے لیے دیکھیے "الاحادیث الواردۃ فی المھدی فی میزان الجرح والتعدیل" شیخ عبدالعلیم عبدالعظیم)

ظہور مہدی کے چند دلائل ملاحظہ ہوں

۱۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا میری امت کے آخری عہد میں مہدی تشریف لائیں گے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ موسلا دھار بارش نازل کرے گا اور زمین اپنے پودوں کو نکال باہر کرے گی اور لوگوں کے درمیان اموال کی تقسیم عدل وانصاف کے ذریعہ ہوگی حیوانات کی فراوانی ہوگی امت کی تعظیم ہوگی وہ سات یا آٹھ سال زندہ رہیں گے۔

(مستدرک الحاکم ۴/۵۵۷)

۲۔ علیؓ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا مہدی ہمارے آل بیت میں سے ہوں گے۔ راتوں رات اللہ تعالیٰ انہیں اصلاح وارشاد کے عظیم کام کی توفیق بخش دیں گے۔ (مسند احمد ۲/۵۸)

۳۔ جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب عیسیٰ بن مریم آخری زمانے میں تشریف لائیں گے تو مسلمانوں کے امیر مہدی ان سے امامت کے لیے کہیں گے تو وہ انکار کریں گے اور کہیں گے کہ تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ (المنار المنیف۔ ابن القیم ۱۴۷۔۱۴۸)

احادیث مہدی متواتر ہیں

ظہور مہدی سے متعلق احادیث تواتر کی حد تک پہونچی ہوئی ہیں۔ حافظ ابوالحسن الآبری لکھتے ہیں: مہدی علیہ السلام سے متعلق احادیث متواتر ہیں اور ان خبروں کے مطابق آپ آل بیت میں سے ہوں گے، سات سال حکمراں رہیں گے، زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے اور پھر عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا نزول ہوگا جو مہدی علیہ السلام کی دجال کے قتل میں معاونت فرمائیں گے اور آپ اس امت کی امامت فرمائیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام آپ کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے۔

(تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ۳/۱۱۹۳)

محمد البرزنجی نے اپنی کتاب "الاشاعۃ لاشراط الساعۃ" میں اور علامہ السفارینی نے "لوامع الانوار البھیۃ" میں اور امام شوکانی نے "التوضیح فی تواتر ما جاء فی المھدی المنتظر والدجال والمسیح" میں اور نواب صدیق حسن خان نے "الاذاعۃ لما کان وما یکون بین یدی الساعۃ" میں اور شیخ محمد بن جعفر

الکتانی نے "نظم المتناثر من الحدیث المتواتر" میں ظہور مہدی سے متعلق احادیث کو متواتر کہا ہے۔

مہدی المنتظر پر لکھی گئی احادیث کی مستقل تصنیفات

احادیث کی مشہور کتابوں کے علاوہ امام مہدی سے متعلق احادیث کو بعض علماء نے مستقل کتابوں اور مجموعوں میں بھی یکجا کیا ہے جس کی مختصر تفصیل ہدیہ ناظرین کی جا رہی ہے:

۱۔ الاحادیث الواردۃ فی المھدی	حافظ ابوبکر ابن ابی خیثمہ
۲۔ العرف الوردی فی اخبار المھدی	امام سیوطی
۳۔ رسالۃ فی شان المھدی	علی متقی ہندی
۴۔ القول المختصر فی علامات المھدی المنتظر	ابن حجر مکی
۵۔ المشرب الوردی فی مذھب المھدی	ملا علی القاری
۶۔ فوائد الفکر فی ظہور المنتظر	مرعی بن یوسف الحنبلی
۷۔ التوضیح فی تواتر ما جاء فی المھدی المنتظر والدجال والمسیح	الشوکانی
۸۔ الاحادیث القاضیۃ بخروج المھدی	محمد بن اسماعیل الیمانی

ظہور مہدی کے منکرین اور ان کے دلائل

ظہور مہدی کے دلائل اگرچہ بے شمار ہیں لیکن پھر بھی بعض مستغربین نے ظہور مہدی کا انکار کیا ہے اور اس کے دلائل کو متناقض، متعارض قرار دے کر ان کے ظہور کو شیعوں کا گڑھا ہوا افسانہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ محمد رشید رضا مصری نے تفسیر منار میں (۹/۴۹۹) محمد فرید وجدی نے دائرہ معارف القرن العشرین (۱۰/۴۸۰) میں احمد امین نے "ضحی الاسلام" (۳/۲۳۷) میں عبدالرحمن محمد عثمان نے تحفۃ الاحوذی کے اپنے حواشی میں (۶/۴۰۲) محمد عبداللہ عنان نے "مواقف حاسمۃ فی تاریخ الاسلام (۳۵۹۔۳۶۴) میں محمد فہیم ابوعبیہ نے "النھایۃ" پر اپنی تعلیقات میں اور عبدالکریم الخطیب نے "المسیح فی القرآن والتوراۃ والانجیل (۵۳۹) میں اور عبداللہ زید آل محمود نے "لامھدی المنتظر بعد الرسول خیر البشر" میں ظہور مہدی کا انکار کیا ہے اور اس سے متعلق دلائل پر شبہات واعتراضات کیے ہیں۔

یہ لوگ ظہور مہدی سے متعلق بعض احادیث پر ابن خلدون کی جرح سے متاثر ہو گئے

دراصل وہ اس فن کے شہسوار نہیں ہیں اور نہ ہی آپ نے جملہ احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ متعدد احادیث پر نقد کرنے کے بعد آپ نے لکھا ہے "یہ وہ احادیث ہیں جن کی تخریج ائمہ نے کی ہے اور ان میں سے زیادہ تر نقد سے نہ بچ سکیں۔" (مقدمہ تاریخ ابن خلدون ١/٣٢٧-٥) ابن خلدون نے احادیث مہدی کی تضعیف کا یہ عمل اس وقت کے سیاسی تقاضوں سے متاثر ہو کر کیا تھا۔ علامہ رشید رضا مصری نے درج ذیل شبہات وارد کیے ہیں:

١۔ ظہور مہدی سے متعلق احادیث متعارض و متناقض ہیں

٢۔ بخاری و مسلم نے تعارض ہی کی بنا پر ان احادیث کی تخریج نہیں کی ہے۔

٣۔ احادیث کے ذخیرہ میں متعدد اسرائیلی روایات داخل ہو گئی ہیں اور اسی طرح فارسی، علوی اور عباسی عصبیتوں نے بھی مہدی سے متعلق احادیث کے ظہور میں اہم رول ادا کیا ہے۔" (تفسیر المنار ٩/٤٩٩-٥٠١)

پہلے شبہے کا جواب دیتے ہوئے کہا جائے گا کہ ظہور مہدی سے متعلق احادیث متواتر ہیں اور ظہور مہدی سے متعلق صحیح احادیث کے مابین کوئی تضاد نہیں پایا جاتا ہے۔ رہی شیعی روایات تو وہ بے شک احادیث صحیحہ سے متناقض ہیں لیکن وہ روایتیں ضعیف ہیں لہٰذا ان کا اعتبار نہ ہوگا۔

رہا بخاری و مسلم کا تخریج نہ کرنا تو یہ کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ شیخین نے اپنی کتابوں میں جملہ صحیح احادیث کی تخریج کا نہ تو التزام کیا ہے اور نہ ہی دعوی بلکہ کتنی ایسی احادیث ہیں جن پر خود انھوں نے صحیح ہونے کا حکم لگایا ہے اور وہ صحیحین میں موجود نہیں ہیں۔ چنانچہ امام بخاری کے شاگرد امام ترمذی اور آپ کے بعض دیگر شاگردوں نے آپ سے ایسی روایات کے صحیح ہونے کا حکم نقل کیا ہے جو صحیحین میں نہیں بلکہ سنن میں پائی جاتی ہیں (الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث، ابن کثیر ٢٥)

رہا عصبیتوں کا وضع احادیث میں دخل تو اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن الحمد للہ علماء نے بڑی ہی باریک بینی سے صحیح اور موضوع روایات کی تحقیق کر لی ہے۔ اور تمام ہی موضوع اور ضعیف روایات کو الگ الگ کتابوں میں ذکر کر دیا ہے۔ اور اگر کسی نے تعصب کی بنا پر مہدی سے متعلق بعض روایتیں گڑھ لی ہیں تو کیا ہم ان موضوع روایات کی بنا پر صحیح روایات کا بھی انکار کر دیں اور پھر شیعی روایات ہمارے یہاں غیر معتبر ہیں کیوں کہ وہ تو خرافات واباطیل کا مجموعہ ہیں لہٰذا ان کی بنا پر صحیح روایات کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

مشہور حدیث "لا مھدی الا عیسی بن مریم" اور اس کا جواب

ابن ماجہ اور حاکم نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور بعض منکرین نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے احادیث مہدی کا انکار کیا ہے۔ لیکن یہ حدیث ضعیف اور منکر ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی محمد بن خالد الجندی ہیں جو ایک مجہول اور ضعیف راوی ہیں۔

امام ذہبی لکھتے ہیں "محمد منکر الحدیث ہے۔" (میزان الاعتدال ٣/٥٣٥)

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "محمد ایک مجہول راوی ہے۔" (تقریب التہذیب ٢/١٥٧) شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں "محمد بن خالد الجندی غیر معتبر راوی ہیں نیز یہ حدیث مسند الشافعی میں نہیں پائی جاتی۔ (منہاج السنۃ النبویۃ ٤/٢١١) اور اگر اس حدیث کو صحیح بھی مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کامل اور معصوم مہدی صرف عیسی ابن مریمؑ ہیں اور آپ کے علاوہ کوئی کامل و معصوم مہدی نہیں ہے۔ (دیکھیے التذکرہ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ ٦١٧)

نیز غور کیجیے اگر یہ حدیث کسی درجہ میں صحیح مان بھی لی جائے تو کیا ان متعدد احادیث کے سامنے ٹک سکتی ہے جو سند کے لحاظ سے زیادہ قوی ہیں اور جن کے ثبوت میں کسی قسم کا شک نہیں پایا جاتا۔ ☆

(صفحہ ٣١ کا بقیہ)

سنیاس آشرم

وہ شخص جس نے تینوں دور گذار لیے ہوں وہ چوتھے دور میں داخل ہوگا اور اس کی حیثیت ایک معلم اور ایسے شیخ کی ہوگی جس نے شرعی تکالیف اٹھائی ہوں اور جس کی شہوات اس کی عقل کے تابع ہو گئی ہوں اور اس کی بشریت الوہیت میں تبدیل ہو گئی ہو چنانچہ وہ ایک معبود ہوگا جس کی عبادت اسی طرح کی جائے گی جس طرح خدا کی کی جاتی ہے۔

اس دور میں وہ اپنے سر، ڈاڑھی اور مونچھوں کو منڈوا دے اور ناخنوں کو ترشوالے اور اپنے ساتھ ایک کشکول رکھے۔ (٦/٥١) اور دن میں صرف ایک بار بھیک مانگے (٦/٥٥) سنیاسی کا سب سے اہم فریضہ تمام بنی نوع انسان کو تلقین حق اور علوم سے بہرہ یاب کرکے ترقی کے زینے پر قائم کرنا ہے۔ اور دوسرا فریضہ ضبط دم کے ذریعہ روح، قلب اور حواس کی کدورتوں کو خیال کی یکسوئی سے گناہ کو ضبط قلب سے محسوسات کے ساتھ دل بستگی کو محبت قلب سے بے لباسہ جذبات مثلاً نشاط و ملال اور جہالت وغیرہ کدورتہائے روحانی کو جلا کر راکھ کر دینا ہے۔ دیانند سرسوتی کے نزدیک "سنیاس کی زندگی صرف برہمنوں کے لیے خاص ہے کیوں کہ مخلوقات میں سب سے افضل برہمن ہیں اور انسانی اعمال میں سب سے افضل عمل رہبانیت۔ لہٰذا اس کے مستحق صرف برہمن ہی ہوں گے۔ (ستیارتھ پرکاش ١٣٣/٥) ☆

بحث ونظر

حکومت الٰہیہ کا بنیادی اصول

مفتی نعیم رحمانی

حکومت اور اصول میں ایسا گہرا تعلق ہے کہ جب بھی کسی حکومت کا لفظ بولا جاتا ہے تو لفظ اصول اس میں ضرور موجود ہوتا ہے چاہے اس میں بولا جائے یا نہ بولا جائے، کیونکہ کوئی بھی حکومت اصولوں کے بغیر وجود میں نہیں آتی، یہاں تک کہ کسی بھی حکومت کی کامیابی کا انحصار اس کے اصولوں پر ہی ہوتا ہے۔ اگر اصول اچھے ہوں تو وہ کامیاب حکومت ہے اور اصول غلط ہوں تو وہ ناکام حکومت ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دراصل حکومت الٰہیہ کے اصول ہی اصول کہلانے کے لائق ہیں۔ اور حکومت الٰہیہ ہی دراصل حکومت کہلانے کے لائق ہے۔ کیونکہ اس کے اصول اس رب کے مقرر کیے ہوئے ہیں جو انسانوں کا خالق و مالک ہے اس لئے وہی بہتر جان سکتا ہے کہ انسانوں کی زندگی کے لئے کون سے اصول اچھے ہو سکتے ہیں اور کون سے برے۔

اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ اس زمین کی بہتر اور جائز حکومت صرف حکومت الٰہیہ ہی ہے۔ اس کے علاوہ جتنی بھی حکومتیں ہیں وہ سب کی سب بری اور ناجائز ہیں۔ یوں تو حکومت الٰہیہ کے کئی اصول ہیں لیکن سب سے بنیادی اصول یہ ہے کہ اس کے نزدیک سب سے بڑا اللہ ہے اور وہی قانون ساز ہے۔ اور چونکہ کسی بھی قانون کو سمجھنے اور عمل کرنے میں ایک نمونہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ نمونہ ہے۔ اس لحاظ سے حکومت الٰہیہ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی قانون کا اصل ماخذ و سرچشمہ ہے۔ اسی طرح کسی بھی حکومت کو چلانے کے لئے ایک سربراہ کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس کی حیثیت بھی تسلیم شدہ ہے جس کو امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین کہتے ہیں۔ اور حکومت کے انتظامی امور میں اس کی اطاعت بھی ضروری قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ وہ ایک طرح سے اللہ اور اس کے رسول کا نمائندہ ہوتا ہے۔ لیکن یہاں یہ بات واضح رہے کہ امیر المومنین قانون بنانے اور حکم دینے میں آزاد و خود مختار نہیں ہوتا بلکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا تابع و پابند ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر امیر المومنین کی اطاعت اسی وقت تک واجب ہے جب

کہ اس کا کوئی حکم اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے نہ ٹکرائے۔ اگر اس کا حکم اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے حکم سے ٹکرائے تو پھر اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اور اگر امیر المومنین سے کھلا ہوا کفر صادر ہو جائے تو اس کی اطاعت سے ہاتھ کھینچ لینا اور اس کو عہدہ سے معزول کر دینا مسلمانوں پر واجب ہے۔

حکومت الٰہیہ کے اس بنیادی اصول سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ کہ دنیا کی عام حکومتوں کے بنیادی اصولوں اور حکومت الٰہیہ کے بنیادی اصول میں زمین و آسمان کا فرق ہے کیونکہ دنیا کی عام حکومتوں میں بنیادی طور پر انسان ہی کو سب سے بڑا سمجھا گیا ہے اور اسی کو قانون ساز تسلیم کیا گیا ہے۔ کچھ لوگ یہ کہہ کر حکومت الٰہیہ کی اہمیت و ضرورت سے انکار کرتے ہیں کہ اس کے اصولوں کو بنے ہوئے چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا ہے اس لئے موجودہ دور میں اس کے اصول کارآمد نہیں ہو سکتے۔ اس سلسلہ میں بس اتنا عرض ہے کہ حکومت الٰہیہ کے اصول اگر کسی انسان کے بنائے ہوئے ہوتے تو شاید یہ خیال درست ہوتا کیونکہ کوئی انسان مستقبل کے حالات کو نہیں جانتا لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کے اصول اس خالق کائنات کے بنائے ہوئے ہیں جس کے علم میں ماضی، حال، مستقبل برابر ہے۔ اور جہاں تک زندگی کی تبدیلی کو بنیاد بنا کر حکومت الٰہیہ کے اصولوں کو نظر انداز کرنے کی بات ہے تو اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے یہ کافی ہے کہ حکومت الٰہیہ کے اصولوں کا تعلق انسان کی فطرت و ضرورت سے ہے اور انسانی ابتداء سے لے کر آج تک انسانی فطرت و ضرورت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی اور نہ قیامت تک واقع ہوگی۔

مثلاً آج سے چودہ سو سال پہلے کا انسان جس طرح دل سے سوچنے، دماغ سے سمجھنے، کان سے سننے، آنکھ سے دیکھنے، ناک سے سونگھنے، منہ سے کھانے، زبان سے بولنے، ہاتھ سے پکڑنے، پیر سے چلنے کا کام لیتا تھا آج کا انسان بھی ان اعضاء سے یہی کام لیتا ہے۔ اسی طرح آج سے چودہ سو سال پہلے انسان کی جو بنیادی ضروریات تھیں آج بھی انسان کی وہی بنیادی ضروریات ہیں، مثلاً کھانا، پینا، سونا، جاگنا، نکاح، تجارت، تعلیم، سفر، جنگ، سیاست، حکومت وغیرہ یہ بات اور ہے کہ کچھ ضروریات کے حصول کے طریقوں میں تبدیلی واقع ہوئی ہے لیکن اس کے لئے اصول کو تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کیونکہ حکومت الٰہیہ کے اصول اتنے جامع اور دائمی ہیں کہ ضرورت انسانی کے حصول کا کوئی طریقہ قیامت تک ان کی رہنمائی سے محروم نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا جو لوگ حکومت الٰہیہ کے اصولوں کو فرسودہ قرار دے کر ان میں تبدیلی کی بات کرتے ہیں یا ان کی ضرورت سے انکار کرتے ہیں

پہلے انہیں اپنی فرسودگی پر ماتم کرنا چاہئے اس لئے آج کا انسان بھی بنیادی طور پر دس ہزار سال پہلے کے انسان کی طرح ہے۔

بعض لوگ اسلام کے ایک حکم "مشورہ" کا حوالہ دے کر موجودہ طرز حکومت کو درست ٹھہراتے ہیں اور کچھ تو اس کو اسلامی طرز حکومت قرار دیتے ہیں، جبکہ موجودہ جمہوری طرز حکومت اور اسلامی طرز حکومت میں دور کا بھی تعلق نہیں نہ دستوری لحاظ سے اور نہ طریقہ کار کے لحاظ سے بلکہ یہ عین اسلامی طرز حکومت کی ضد ہے۔

جمہوری طرز حکومت کی حقیقت یہ ہے کہ کسی ملک کے عام انتخابات میں حصہ لینے والوں کی اکثریت جس فرد یا پارٹی کے حق میں اپنے ووٹ کا استعمال کریں وہ فرد یا پارٹی حکومت کرنے کی اہل قرار پائے گی پھر وہ فرد یا پارٹی قانون سازی میں آزاد و خود مختار ہوگی۔ اگر وہ اسلام کے کسی جائز فعل کو ممنوع قرار دے یا ممنوع فعل کو جائز قرار دے تو وہ اس کی بھی مجاز ہوگی۔ پھر اس کی جائز کردہ چیزوں کو جائز تسلیم کرنا اور ممنوع چیزوں کو ممنوع تسلیم کرنا ملک کے تمام باشندوں پر لازم ہوگا جنھوں نے اس پارٹی کو ووٹ دیا ان پر بھی اور جنھوں نے اس پارٹی کو ووٹ نہیں دیا ان پر بھی جبکہ اسلامی طرز حکومت کی حقیقت یہ ہے کہ پوری دنیا کے انسان بھی اسلام کے کسی جائز فعل کو ممنوع قرار دیں تو وہ جائز نہیں ہو سکتا، بلکہ اسلام اس طرز عمل کو اللہ کے ساتھ شرک اور بغاوت سے تعبیر کرتا ہے۔ جہاں تک اسلام کے ایک حکم مشورہ کا تعلق ہے تو یعنی حکومت الہیہ کے سربراہ کو بعض انتظامی امور میں صاحب الرائے افراد سے مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن اس میں بھی اس کو کثرت رائے کا پابند نہیں کیا گیا ہے۔ بلکہ اس کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا، گویا کہ مشورہ میں بھی انسانوں کے سروں کی تعداد نہیں دیکھی جاتی بلکہ سروں کے اندر کی مقدار دیکھی جاتی ہے۔

اور جمہوری طرز حکومت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اکثریت کے نام پر اکثریت پر اقلیت کی حکومت ہے۔ اس لئے کہ اس وقت دنیا میں جو عام انتخابات ہوتے ہیں ایک اندازہ کے مطابق ان میں عوام کی صرف پچاس فیصد آبادی ہی اپنے ووٹ کا استعمال کرتی ہے، اور ہر انتخابی حلقہ میں کم از کم تین امیدوار ہوتے ہیں اب اگر ان تین امیدواروں میں مقابلہ برابر کا رہا تو جس کو چھتیس فیصد ووٹ مل جائے وہ منتخب قرار پائے گا، اس لحاظ سے اس کو منتخب قرار دینے میں حلقہ کی صرف ساڑھے سترہ فیصد عوام کی رائے کا دخل رہا اور ساڑھے بیاسی فیصد عوام کا اس کے انتخاب میں دخل نہیں رہا، پچاس فیصد عوام غیر جانب دار رہی، بتیس فیصد عوام نے اس کے خلاف ووٹ دیا، لیکن اس کے

باوجود قانونی طور پر یہ حلقہ کی پوری عوام کا نمائندہ قرار پاتا ہے۔ اس کے بعد بھی ہر منتخب ممبر کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہوتا بلکہ ملک کے جملہ منتخب ممبران کی اکثریت جس پارٹی کے ساتھ ہوگی اس کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔

مثلاً کسی ملک کے منتخب ممبران کی تعداد دسو ہے، ایک پارٹی کے ساتھ اکیاون اور ایک پارٹی کے ساتھ انچاس ہیں تو اکیاون ممبران والی پارٹی کو حکومت کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور انچاس ممبران والی پارٹی حکومت کرنے کے حق سے محروم رہے گی، گویا اب ملک پر اس پارٹی کی حکومت ہے جس کو ملک کی نو سے فیصد عوام نے منتخب کیا لیکن اس کو جمہوری طرز حکومت کا جادو ہی کہنا چاہئے کہ اکیانوے فیصد عوام پر نو فیصد عوام کی حکومت ہونے کے باوجود وہ اقلیت پر اکثریت کی حکومت کہلاتی ہے، اور مزید غور کرنے سے اہل حکومت کا یہ فیصد اور بھی نیچے گر جاتا ہے کیونکہ حکومت کے زیادہ تر امور صرف وزراء ہی طے کرتے ہیں، اور وزیروں کی تعداد حکمراں پارٹی کے پندرہ فیصد ممبران سے زیادہ نہیں ہوتی اس لحاظ سے ان وزیروں کو ملک کی صرف ڈیڑھ فیصد عوام کی رائے کا ہے اور ساڑھے اٹھانوے فیصد عوام کی رائے سے یہ وزراء محروم ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جمہوری حکومت کے بیشتر معاملات ملک کی صرف ڈیڑھ فیصد عوام کی رائے سے طے پاتے ہیں۔ اور اٹھانوے فیصد عوام کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ ان طے شدہ امور کو تسلیم کریں۔

بعض لوگ دور نبوی ﷺ کے مشہور واقعہ صلح حدیبیہ کا حوالہ دے کر غیر اسلامی نظام کے تحت زندگی گذارنے کو درست ٹھہراتے ہیں اور حکومت الٰہیہ کی اہمیت وضرورت کو نظر انداز کر دیتے ہیں، جبکہ غیر اسلامی نظام کے تحت زندگی گذارنے اور صلح حدیبیہ میں دور کا بھی تعلق نہیں ہے، کیونکہ صلح میں یہ شرط نہیں تھی کہ مسلمانوں کو مشرکین کے نظام کے تحت زندگی گزارنی ہوگی۔ بلکہ اس صلح میں اہل ایمان کو ایک بااختیار اور صاحب نظام امت تسلیم کیا گیا تھا، اور مطلق جنگ نہ کرنے پر بھی صلح نہیں ہوئی تھی بلکہ دس سال کے لئے صرف مشرکین مکہ سے جنگ نہ کرنے پر صلح ہوئی تھی اور اسی صلح میں مسلمانوں کا یہ حق تسلیم کیا گیا تھا کہ وہ عرب کے کسی بھی قبیلہ کو اپنی پناہ میں لے سکتے ہیں، چنانچہ اس صلح کے بعد قبیلہ بنو خزاعہ مسلمانوں کی پناہ میں داخل ہو گیا اور قبیلہ بنو بکر مشرکین مکہ کی پناہ میں داخل ہو گیا، جبکہ آج کے جمہوری نظام میں امت مسلمہ کو بااختیار اور صاحب نظام امت تسلیم نہیں کیا گیا اور نہ ان کے پناہ دینے کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے، کیونکہ صلح حدیبیہ کی حالت میں پہنچنے کے لئے مسلمانوں کو بدر و احد و احزاب جیسے معرکے سر کرنے پڑتے ہیں۔ ☆☆

بحث ونظر

سیرت نبوی کی تدوین میں محمد بن اسحاق کا رول

عبدالشافی محمد عبداللطیف

جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ

محمد بن اسحاق وہ پہلے سیرت نگار ہیں جنہوں نے سیرت نبوی کے اصول وضوابط متعین فرمائے اور عہد نبوی کے واقعات وحادثات کو مرتب انداز میں پیش کیا۔ آپ سے پہلے یہ فن کن کن مراحل سے گزرا اسکی مختصر روداد بدیہ قارئین کی جارہی ہے۔

سیرت نبوی، عہد نبوی اور خلفاء راشدین کے عہد میں نہ تو مدون کی گئی اور نہ ہی اسکے اصول وضوابط ہی طے پاسکے کیونکہ صحابہ کرامؓ جنھیں بذات خود آپ کے ساتھ ان واقعات وغزوات میں شریک تھے وہ اس سے براہ راست متاثر ہوئے، ہر ہر واقعہ انکے ذہن ودماغ میں محفوظ تھا اس لیئے سیرت نبوی کی تدوین کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی گئی البتہ عہد تابعین میں سیرت نبوی اور جہاد وایمان کے واقعات کو جاننے کی شدید رغبت نے انھیں موجود صحابہ سے عہد نبوی کے واقعات اور غزوات کی تفصیلات جاننے پر آمادہ کیا اور اسطرح اس عہد کے متعلق سوال وجواب کی شکل میں اس عہد کے متعلق تفصیلی مواد وجود میں آیا۔ تابعین نے سیرت کے متعلق صحابہ کرام کے جوابات کو ذہن ودماغ کے ساتھ ساتھ تحریری شکل میں بھی محفوظ کرنا شروع کیا اور اسطرح سیرت پر تدوین وتالیف کا آغاز ہوا عہد تابعین میں سیرت پر لکھنے والوں میں درج ذیل افراد کو زیادہ شہرت نصیب ہوئی۔

(۱) ابان بن عثمان بن عفانؓ

آپ ۲۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اور مدینہ جیسی ہی بستی میں آپکی پرورش وپرداخت ہوئی۔ فقہ وحدیث سے زیادہ آپ کو مغازی سے دلچسپی تھی، اور اس فن کے آپ امام تھے، ابن سعد، مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام بن المغیرہ کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں: وہ معتبر راوی تھے، حدیثوں کی روایت بہت کم کرتے تھے البتہ مغازی کی روایت خوب کرتے تھے، جسے انہوں نے ابان بن عثمان بن عفان سے حاصل کیا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ، ج۵/۱۷۹)

ابان بن عثمان نے ایک مختصر عرصہ کے علاوہ پوری زندگی درس وتدریس میں لگادی، اگرچہ سیرت پر آپکی مرویات کسی کتابی شکل میں ہم تک نہ پہونچیں لیکن پھر بھی اس فن پر آپ کی بے شمار روایتیں آپکے شاگردوں کے توسط سے سیرت کی امہات کتب میں بکھری پڑی ہیں۔

۲۔ عروہ بن زبیرؓ

آپ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے آپ کی تعلیم وتربیت میں اہم رول ادا کیا۔ مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ فقہ وحدیث کے ساتھ ساتھ مغازی پر بھی آپ کو عبور حاصل تھا۔ بڑے بڑے علماء وخلفاء سیرت کے امور ومسائل میں آپ کی جانب رجوع کرتے تھے۔ سیرت اور حدیث پر آپ نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ "ہشام بن عروہ نے فرمایا کہ ان کے والد نے سنہ ۶۳ھ میں واقعہ حرہ کے موقع پر اپنی متعدد کتابوں کو جلادیا جن کے ضیاع پر بعد میں انہیں کافی غم ہوا۔ اگرچہ فن سیرت پر آپ کی لکھی ہوئی کتابیں ہم تک نہ پہنچ سکیں لیکن سیرت پر پائی جانے والی قدیم ترین کتابوں میں عروہ کے واسطے سے مروی روایات کا ایک بڑا حصہ پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد اور طبری کی کتابوں میں عروہ کے واسطے سے سیرت کے متعلق متعدد روایات پائی جاتی ہیں۔ جن کے تذکرہ کے لیے مستقل مضمون درکار ہے۔

۳۔ شرحبیل بن سعد

مدینہ منورہ میں آپ کی پرورش وپرداخت ہوئی۔ زید بن ثابتؓ، ابو ہریرہؓ، ابو سعید الخدریؓ اور متعدد دیگر صحابہ کرامؓ سے آپ نے استفادہ کیا۔ سفیان بن عیینہ کہتے ہیں "علم مغازی اور بدری صحابہ کی تفصیلات آپ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ موسیٰ بن عقبہ کے بقول "آپ نے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے والے مہاجرین اور بدر واحد میں شریک ہونے والے صحابہ کرامؓ کے ناموں کی تفصیلات مدون کیں۔ سنہ ۱۲۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔

۴۔ وہب بن منبہ

آپ یمن کے رہنے والے تھے۔ سنہ ۳۴ھ میں صنعاء کے مضافات میں واقع "زمار" کی بستی میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۱۱۰ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔ آپ کا گھرانا علمی گھرانا تھا، اسرائیلی روایات سے آپ کی اچھی واقفیت تھی، آپ کا شمار ان علماء میں ہوتا ہے جنھیں مختلف موضوعات پر عبور حاصل ہو۔

فن حدیث کے ساتھ انبیائے کرامؑ کے قصوں کی تفصیلات و جزئیات کے باب میں آپ سند سمجھے جاتے تھے۔ فن سیرت پر آپ نے ایک کتاب لکھی تھی جس کے بعض اوراق جرمنی کے مشہور شہر ہیڈ لبرگ میں آج بھی موجود ہیں۔ مشہور مستشرق بیکر اسے وھب بن منبہ کی کتاب المغازی کے چند اوراق مانتے ہیں۔ ان اوراق پر کتاب کی تاریخ ۲۲۹ھ درج ہے۔ یہ اوراق بیعۃ العقبۃ الاولیٰ دارالندوہ میں قریش کی مشاورتی کونسل کی روداد ہجرت کی تیاری، اور نبی اکرم ﷺ کے مدینہ پہنچنے کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ (دیکھیے المغازی الاولیٰ و مؤلفوھا ۳۰-۳۱)

مذکورہ بالا چاروں ائمہ فن سیرت کے طبقہ اولیٰ کے امام سمجھے جاتے ہیں اور طبقہ ثانیہ کے مشہور علماء سیرت میں سے ایک محمد بن اسحٰق ہیں جنھوں نے مدینہ منورہ کے سو سے زائد علماء کرام سے اپنی متصل سندوں کے ذریعہ روایات بیان کی ہیں۔ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری کے علاوہ ایک ہی خاندان آل زبیر کے متعدد افراد سے آپ نے روایات نقل کی ہیں اور خصوصاً درج ذیل دو سندیں ابن اسحاق عن ہشام بن عروہ عن ابیہ اور زہری عن عروہ بڑی ہی قدر و قیمت کی حامل ہیں۔ کیوں کہ ان دونوں سلسلۂ سند سے مروی زیادہ تر روایات حضرت عائشہؓ سے مروی ہیں اور ظاہر ہے سیرت رسول کے باب میں آپ کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ سے زیادہ مستند کون ہو سکتا ہے۔ ابن اسحاق کے اساتذہ میں نافع مولیٰ ابن عمر عاصم بن عمر بن قتادہ الانصاری، عبداللہ بن ابی بن حزم الانصاری، اسحاق بن یسار اور ابوبکر بن محمد بن مسلم بن عبداللہ بن عبداللہ بن شھاب الزہری علم و فن کے اساطین گذرے ہیں ابن اسحاق کے تعلقات امام زہری سے کافی گہرے تھے، آپ کا پورا نام محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار ہے، آپ کے دادا عین التمر کے قیدیوں میں سے تھے جنھیں بعد میں مدینہ لایا گیا تھا۔ محمد بن اسحاق ۸۵ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، انس بن مالک سے آپ کی ملاقات ثابت ہے۔ متعدد کبار تابعین سے آپ نے علم حاصل کیا، اپنی عمر کے پچاس سال آپ نے مدینہ میں گذارے۔ عہد اموی میں آپ کا اموی خلفاء سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ واقعہ حرہ کو اہل مدینہ کبھی بھلا نہ سکے، عہد اموی کے سقوط کے بعد خلیفہ ابو جعفر منصور کے زمانہ میں آپ بغداد آئے جہاں آپ نے منصور کے حکم سے مغازی کی تدوین کی۔

سیرت و مغازی میں آپ مقام

سیرت و مغازی میں آپ کو امام تصور کیا جاتا ہے۔ (تاریخ بغداد ۱/۲۲۰) آپ کے استاذ

زہری فرماتے ہیں "جو مغازی کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے ابن اسحاق سے علم حاصل کرنا چاہیے۔" امام شافعی فرماتے ہیں "جو مغازی پر عبور چاہتا ہو وہ ابن اسحاق کی معلومات کا محتاج ہے۔" ابن خلکان فرماتے ہیں مغازی و سیرت کے باب میں آپ کی امامت کا ہم انکار نہیں کر سکتے۔ امام ذہبی لکھتے ہیں "اس امر پر علماء کا اتفاق ہے کہ ابن اسحاق ہی سیرت و مغازی کے منبع اول ہیں۔ آپ علم و فن کے مصدر تھے۔ اور سیرت و مغازی کے امام۔ رہا فن حدیث تو اس باب میں بھی آپ یحییٰ بن معین شعبۃ الحاج علی بن المدینی احمد بن حنبل اور امام زہری کے نزدیک ثقہ معتبر ہیں۔ صرف امام مالکؒ نے آپ پر جرح کی ہے۔ جس کا سبب بعض علماء کے نزدیک عقیدہ کا اختلاف ہے چنانچہ ابن اسحاق پر تشیع اور قدر کا الزام تھا جس کی بنا پر امام مالکؒ نے آپ کو ضعیف قرار دیا اور امام مالک کی اس جرح کی بنا پر علماء حدیث نے آپ سے روایتیں نہ لیں اور خصوصاً علماء اہل مدینہ نے امام مالکؒ کی رائے کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے آپ کی روایت کو ترک کر دیا۔ امام بخاریؒ، امام مسلمؒ کے نزدیک آپ ثقہ تھے۔ البتہ امام بخاری نے آپ سے کوئی روایت بیان نہیں کی ہے۔ اور امام مسلمؒ نے امام مالکؒ کی جرح کی بنا پر صرف ایک ہی روایت آپ سے نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق کے بارے میں امام مالکؒ کی رائے کو قول فیصل نہیں بنایا جا سکتا۔ کیونکہ جرح و تعدیل کے باب میں یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جارح اور مجروح کے درمیان اگر عقیدہ میں اختلاف کی بنا پر عداوت ہو تو جارح کا قول مطلق قبول نہیں کیا جائے گا۔ (لسان المیزان ۱/۱۶) امام مالکؒ کی رائے قطعی اس لیے بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ بہت جلد غضبناک ہو جاتے تھے۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں "بعض علماء نے امام مالکؒ پر اس بات کی نکتہ چینی کی ہے کہ آپ نے اپنے زمانے کے بعض مشہور محدثین اور ثقہ لوگوں پر جرح کر ڈالی (تاریخ بغداد ۱/۲۲۳) تو ہو سکتا ہے کہ ابن اسحاق کے بارے میں امام مالک کی رائے غصے کی حالت میں نکلا ہوا قول ہو۔

ابن اسحاق کے علمی آثار

الفہرست کے مطابق ابن اسحاق نے دو کتابیں تالیف کیں ۱۔ السیرۃ والمبتدی والمغازی ۲۔ تاریخ الخلفاء۔ تاریخ الخلفاء تو ہم تک نہ پہنچ سکی رہی مغازی تو وہ عبدالملک بن ہشام بروایت زیاد بن عبداللہ البکائی کے واسطے سے ہم تک پہنچی ہے جسے عرف عام میں سیرت ابن ہشام کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ابن الندیم نے الفہرست میں اس کا نام السیر والمبتدی والمغازی

کلکھا ہے جبکہ ابن سعد اس کا نام صرف المغازی بتاتے ہیں۔ اور اس اختلاف کا سبب شاید یہ ہو کہ مسلمانوں کو شروع میں صرف مغازی کی تدوین کی فکر تھی اور اس کے بعد آپ کی پوری سیرت اور پھر دعوت اسلامی کی پوری تاریخ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا۔ مشہور روایت کے مطابق ابن اسحاق نے المغازی خلیفہ ابو جعفر منصور کے حکم سے لکھی ہے۔ خطیب البغدادی ابن خلکان اور اکثر مورخین لکھتے ہیں کہ جب ابن اسحاق رح ۱۴۳ھ میں حیرہ میں منصور کے پاس آئے تو آپ نے اپنے بیٹے مہدی کی جانب اشارہ کر کے کہا ان کے لیے ایک ایسی کتاب لکھ دیجئے جس میں آدم سے لے کر آج تک کے جملہ تاریخی احوال و کوائف درج ہوں، اس حکم کی تعمیل میں آپ نے یہ کتاب لکھی جو کافی طویل تھی جسے پھر آپ نے مختصر کیا اور مطول کو امیر المومنین کے خزانہ میں ڈال دیا گیا۔ (وفیات الاعیان ۲۷۷/۱)

البتہ یہ رائے قرین قیاس نظر نہیں آتی کیونکہ:

(۱) مذکورہ بالا روایت کے مطابق منصور نے مہدی کے لیے ایک ایسی کتاب لکھنے کا حکم دیا جس میں عہد آدم سے خلافت مہدی تک کے حالات درج ہوں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ابن اسحاق نے وفات رسول اور اس سے پیدا ہونے والے مباشر امور جیسے سقیفہ بنی ساعدہ کے احوال و کوائف، اور ابو بکر کی بیعت ہی پر اس کتاب کی تکمیل کیوں کی اور اس کے بعد کے احوال اسمیں درج کیوں نہ فرمائے۔

(۲) ابن اسحاق کی سیرت براہ راست طبری کا مصدر ہے، جسمیں انہوں ان واقعات کو حذف کر دیا ہے جو عباسیوں کے لیے ناگواری کا باعث تھے، جیسے عباس بن عبد المطلب کا مسلمانوں کے خلاف غزوہ بدر میں آنا اور پھر گرفتار ہو کر آپ کا فدیہ ادا کیا جانا، اسی طرح واقدی، ابن سعد وغیرہ نے بھی اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے اور خود ابن ہشام نے بھی اپنی تلخیص میں اس قصہ کو عباسیوں کی رضا کے لیے حذف کر دیا ہے تو اگر یہ کتاب ابو جعفر کے حکم سے لکھی گئی ہوتی تو یہ بات مستبعد نظر آتی ہے کہ اسمیں اس قصہ کا ذکر ہوتا جبکہ ابن اسحاق کو معلوم تھا کہ اسکے ذکر سے خلیفہ کو ناگواری کا احساس ہوگا اس لیے ہمارا یہ خیال ہے کہ یہ کتاب مدینہ منورہ میں لکھی گئی۔

(۳) ابن اسحاق سے مغازی کی روایت کرنے والوں میں ایک مشہور راوی ابراہیم بن

سعد بن ابراہیم مدنی ہیں جنہوں نے تحصیل علم کے لیے مدینہ کے علاوہ اور مقام کا کبھی رخ نہ کیا تو آخر آپ نے اپنے استاذ سے یہ کتاب جو مشہور روایت کے مطابق بغداد میں لکھی گئی لے کر نقل کر لیا اور اس کا ایک نسخہ پہلے تیار کر لیا البتہ یہ فطری بات ہے کہ ابن اسحاق جب مدینہ سے عراق گئے ہوں گے تو اس کا ایک نسخہ اپنے ساتھ عراق لے گئے ہوں، جس سے آپ کے عراقی شاگردوں نے آپکی روایت کی ہو۔

(۴) سیرت ابن اسحاق میں مدنی اور مصری علماء کی روایات تو ہیں لیکن عراقی علماء کی نہیں تو اگر عراق میں یہ کتاب لکھی گئی ہوتی تو ضرور عراقیوں کی روایات بھی اسمیں شامل ہوتیں، انھیں اسباب کی بناء پر ہمارا یقین ہے کہ یہ کتاب ابن اسحاق نے عراق تشریف لے جانے سے پہلے تحریر فرمائی ہے۔

کتاب کے مندرجات

ابن اسحاق کی اصل کتاب ہم تک نہ پہونچ سکی بلکہ اس کا خلاصہ ابن ہشام نے زیاد بن عبد اللہ البکائی عن ابن اسحاق کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ ابن ہشام نے اپنی تلخیص میں متعدد روایات، اشعار اور بعض مخصوص واقعات کو اپنے مخصوص اغراض و مقاصد کے پیش نظر حذف کر دیے ہیں، البتہ دیگر مورخین اور خصوصا طبری نے ان محذوف واقعات کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ ان تمام مصادر کی روشنی میں سیرت ابن اسحاق کے محتویات مجملا اس طرح ہیں:

(۱) **المبتدا** (جاہلی تاریخ)۔ یہ قسم چار فصلوں پر مشتمل ہے، عہد آدم سے عہد عیسیٰ کی وہ تاریخ جسے ابن ہشام نے زیادہ تر حذف کر دیا ہے، ابن اسحاق نے یہ پوری تاریخ درج کی ہے۔ اس کی تدوین میں ابن اسحاق نے ابن عباس کی مرویات، کتب مقدس، یہودی و مسیحی ادبا کی تحریروں سے کافی استفادہ کیا ہے۔

دوسری فصل میں ظہور اسلام سے قبل یمن کی مفصل تاریخ اور تیسری فصل میں عربی قبائل اور ان کے طریقہ عبادت وغیرہ کا بیان ہے اور چوتھی میں آپ ﷺ کے آباء و اجداد اور اہل مکہ کے اعتقادات کا تذکرہ ہے۔

(۲) **المبعث**: یہ حصہ مکی و مدنی دور کی آپکی پوری سیرت پر مشتمل ہے۔ اسے ابن اسحاق نے سنین کی ترتیب کے ساتھ متصل سندوں سے نقل کیا ہے، اسمیں نظام مجتمع المدینہ [مدینہ میں پائے جانے والے قبائل سے آپ کا معاہدہ] کے نام سے موسوم وہ مشہور وثیقہ بھی شامل ہے جسے کی

اور مورخ نے درج نہیں کیا ہے ، اور اسی طرح " السابقون الاولون مہاجرین حبشہ انصار میں پہلے ایمان لانے والوں اور بیعۃ العقبہ میں شرکت کرنے والوں اور ان مہاجرین وانصار کی مکمل فہرست ہے جن کے درمیان آپ ﷺ نے مواخاۃ کرائی۔

۳۔ المغازی : اس حصہ میں عہد مدنی کے جملہ واقعات وغزوات سنوں کی ترتیب کے ساتھ متصل سندوں سے منقول ہیں اور ان واقعات وغزوات میں شامل ہونے والے لوگوں کے اقوال وتاثرات کو بھی آپ نے ان اقارب کی مدد سے درج کیا ہے آپ نے ہر واقعہ کو لکھنے سے پہلے اس کی پوری تفصیل درج کی ہے اور پھر مستند علماء کے اقوال کے ذریعہ سے مدلل کیا ہے اس حصہ میں غزوات میں شرکت کرنے والوں بدر واحد، خندق، خیبر موتہ اور طائف کے مقتولین قیدیوں، حبشہ سے واپس لوٹنے والے مہاجرین کی پوری فہرست بھی شامل ہے۔

سیرت ابن اسحاق کی روایت

آپ نے یہ کتاب مدینہ منورہ میں لکھی۔ آپ سے اس کتاب کی روایت آپ کے سولہ شاگردوں نے کی جن میں ایک سلمۃ بن الفضل بھی ہیں۔ طبری نے زیادہ تر ابن اسحاق کی روایت انھیں سے لی ہیں۔ اور ایک راوی یونس بن بکیر بھی ہیں جن سے حاکم نے مستدرک میں ابن الاثیر نے اسد الغابۃ میں اور ابن حجر نے الاصابہ میں خصوصی استفادہ کیا ہے۔ ابن اسحاق کے جملہ عراقی شاگردوں کے نسخے ضائع ہوگئے سوائے زیاد بن عبداللہ البکائی کے جس کی تلخیص ابن ہشام نے تیار کی اور جسے اس قدر قبول عام حاصل ہوا کہ اصل کتاب سے بھی زیادہ وہ رواج پاگئی۔ ابن حجر کے عہد تک اصل کتاب سے استفادہ جاری تھا جو بعد میں جاری نہ رہ سکا۔ زیاد بن عبداللہ البکائی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے گھربار فروخت کرکے ابن اسحاق کی صحبت اختیار کی اور اپنے آپ کو سیرت کے لیے فارغ کیا اور یہ کتاب اپنے شاگرد خاص ابن ہشام تک پہنچائی جن کی تلخیص نے زیاد کی روایت کو دوام عطا فرمائی۔ مشہور مستشرق وسٹنفیلڈ نے جرمنی میں ۱۸۵۹ء میں اپنی تحقیق سے اس کتاب کو شائع فرمایا اور اس کے بعد مطبع بولاق سے بار بار یہ طبع ہوئی اور شائقین سیرت کے لیے مرجع خاص قرار پائی ٭٭

اصولی مباحث

جرح وتعدیل ایک مختصر تعارف

(آخری قسط)

ڈاکٹر عاطف احمد امان
کلیۃ الشریعۃ، دوحہ قطر

تعدیل کے مراتب

۱۔ پہلا مرتبہ تعدیل کا سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ راوی کی توثیق اسم تفضیل یا اس کے مساوی صیغوں کے ذریعہ کی گئی ہو جیسے: فلان اوثق الناس (فلاں راوی لوگوں میں سب سے معتبر ہے) لا احد اثبت من فلان (فلاں راوی سے زیادہ کوئی معتبر نہیں) فلان الیہ المنتھی فی التثبت (فلاں راوی پر ثقاہت ودیانت کا خاتمہ ہوگیا) فلان لا اعرف لہ نظیرا (فلاں راوی کی کوئی نظیر ہی نہیں ہے) ابن حجر اور امام سخاوی کے نزدیک تعدیل کا یہی پہلا مرتبہ ہے۔ ان راویوں کے ذریعہ مروی روایات صحیح تصور کی جاتی ہیں اور اس طبقہ کی زیادہ تر روایات صحیحین میں پائی جاتی ہیں

۲۔ دوسرا مرتبہ تعدیل کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ راوی کی توثیق ایسے الفاظ سے کی جائے جو اس کی صفت ضبط اور صفت عدالت سے بھرپور متصف ہونے پر دلالت کرتے ہوں جیسے: فلان ثقۃ ثقۃ، ثبت ثبت (فلاں شخص انتہائی معتبر ہے) اور جیسے فلان ثقۃ ثبت یا ثبت حجۃ یا ثقۃ مامون یا ثقۃ حافظ۔

راوی کی ثقاہت ودیانت پر دلالت کرنے والے الفاظ جتنے مؤکد ہوں گے اتنا ہی وہ راوی کے بھرپور ثقہ ہونے پر دلالت کریں گے جیسے ابن عیینہ کا عمرو بن دینار کے بارے میں نو بار ثقہ کہنا یا جیسے ابن سعد کا امام شعبہ کے بارے میں یہ بیان: ثقۃ مامون ثبت حجۃ صاحب حدیث (امام شعبہ انتہائی ثقہ معتبر، حجت اور حامل حدیث تھے۔ (فتح المغیث ۱/۳۳۶)

ان راویوں سے مروی روایات بھی صحیح مانی جاتی ہیں البتہ پہلے مرتبہ کے راویوں کے ذریعہ مروی روایات سے فروتر ہوتی ہیں۔ اس طبقہ کی بھی زیادہ تر روایات صحیحین میں موجود ہیں۔ یہ مرتبہ امام سخاوی کے نزدیک دوسرا مرتبہ ہے جبکہ ابن حجر، امام عراقی اور امام ذہبی کے نزدیک یہ پہلے مرتبہ کی

میں داخل ہے۔

۳۔ تیسرا مرتبہ تعدیل کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ راوی کی تعدیل ایسے الفاظ سے کی گئی ہو جو اس کی ثقاہت و دیانت اور صفت ضبط پر تو دلالت کرتے ہوں البتہ وہ تاکید سے خالی ہوں۔ جیسے فلان ثقة، یا ثبت، یا متقن یا فلان حجة، یا فلان امام، فلان حافظ، فلان عدل ضابط، فلان ثقة حافظ، كأنه مصحف، فلان صحيح الحديث.

اس مرتبے کے راویوں کے ذریعہ مروی روایت بھی صحیح تصور کی جاتی ہیں اور یہ مرتبہ ابن ابی حاتم اور ابن الصلاح کے نزدیک پہلا مرتبہ ہے، جبکہ امام ذہبی اور عراقی اور ابن حجر کے نزدیک دوسرا اور امام سخاوی کے نزدیک تیسرا طبقہ ہے۔

مذکورہ بالا تینوں مراتب کے راویوں کے ذریعہ مروی روایات فی نفسہ حجت اور قابل استدلال ہوتی ہیں۔

۴۔ چوتھا مرتبہ تعدیل کا چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ تعدیل ایسے الفاظ سے کی گئی ہو جو راوی کی عدالت پر تو دلالت کرتے ہوں البتہ راوی کے ضبط میں معمولی کمی کی جانب اشارہ کرتے ہوں جیسے: فلان صدوق سيئ الحفظ (فلاں راوی سچا تو ہے البتہ حفظ میں کچھ کمی ہے) یا جیسے فلان لا بأس به (فلاں کی روایت میں کوئی حرج نہیں) عبدالرحمٰن بن ابراہیم اور ابن معین کے نزدیک 'لا بأس به' کے الفاظ راوی کے ان کے نزدیک مکمل ثقہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ (فتح المغیث ۱/۳۳۱)

اس طبقہ کی روایات یا تو حسن لذاتہ ہوتی ہیں جو متابع یا شاہد کی صورت میں صحیح لغیرہ کے درجہ تک پہنچ جاتی ہیں، یا حسن لغیرہ ہوتی ہیں۔

۵۔ پانچواں مرتبہ تعدیل کا پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ تعدیل ایسے الفاظ سے کی گئی ہو جو راوی کی عدالت کے ساتھ ساتھ اس کی صفت ضبط کی کمی پر بھی دلالت کرتے ہوں جیسے فلان صدوق يهم (فلاں صادق تو ہے البتہ وہم کا شکار ہے) فلان له أوهام (فلاں راوی کی بعض روایات میں وہم پایا جاتا ہے۔) فلان يخطئ (فلاں راوی کبھی کبھی غلطی کر جاتے ہیں) یا جیسے الى الصدق ما هو، رووا عنه (لوگوں نے ان سے روایت کی ہے) ما اقرب حديثه ان کی حدیث درجہ اعتبار

کے قریب ہے) شیخ وسط، يروى عنه، صالح، صالح الحديث، مقارب الحديث، حسن الحديث، روى الناس عنه.

یہ مرتبہ ابن ابی حاتم اور ابن الصلاح کے نزدیک تیسرا، امام ذہبی، عراقی، اور ابن حجرؒ کے نزدیک چوتھا، اور امام سخاوی اور متاخرین کے نزدیک پانچواں درجہ ہے۔

اس طبقہ کی زیادہ تر مرویات یا تو حسن لذاتہ ہوتی ہیں یا حسن لغیرہ، اور اس قبیل کی اکثر روایات سنن و مسانید میں موجود ہیں۔

۶۔ چھٹا مرتبہ تعدیل کا چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ تعدیل ایسے الفاظ سے کی گئی ہو جو راوی کے ادنی درجہ کے عادل ہونے پر دلالت کرتے ہوں (یعنی راوی کے مستور الحال ہونے سے پہلے کا مرتبہ) یا تعدیل ایسے الفاظ سے کی گئی ہو جو اس کے ادنی درجہ کے ضابط ہونے پر دلالت کرتے ہوں (یعنی راوی کے مستور الصفۃ ہونے سے پہلے کا مرتبہ) جیسے فلان مقبول یا صويلح (فلاں شخص مقبول ہے یا قابل اعتبار ہے) یا جیسے فلان صدوق ان شاء الله (فلاں غالباً صادق ہے۔) یا ارجو أن لا بأس به (میرا خیال ہے کہ ان کی روایت میں کوئی جرح نہیں) یا جیسے یکتب حديثه "فلاں کی حدیث لکھی جائے گی) یا يعتبر به (فلاں کی روایت کا اعتبار ہوگا)

یہ مرتبہ ابن ابی حاتم اور ابن الصلاح کے نزدیک چوتھا اور امام ذہبیؒ، عراقی اور ابن حجرؒ کے نزدیک پانچواں اور امام سخاوی اور متاخرین کے نزدیک چھٹا مرتبہ ہے۔

اس طبقہ کی روایات اعتبار کے لیے مقبول ہوں گی اور متابع و شاہد کے بغیر یہ قابل استدلال نہ ہوں گی۔ یہ حدیثیں حسن لغیرہ ہوتی ہیں اور زیادہ تر سنن و مسانید اور ترغیب و ترہیب کی کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک پانچویں اور چھٹے دونوں مرتبہ کی روایات فی نفسہ قابل استدلال نہ ہوں گی البتہ اعتبار کے لیے انھیں لیا جائے گا کیوں کہ ان روایات کے حاملین عادل تو ہیں البتہ صفت ضبط سے مکمل طور پر متصف نہیں ہیں۔ ☆

مذاہب عالم

ہندو دھرم میں عبادات کا تصور

انیس احمد فلاحی

۱۔ عبادت و پوجا

عبادات، پوجا کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ یگیہ: کسی معین مقام پر آگ بھڑکانا اور معبودوں کی محبت کو اپنی جانب متوجہ کرنے اور گناہوں سے کفارہ کی طلب میں ویدوں اور اپنشدوں کے مخصوص منتروں کا پڑھنا یگیہ کہلاتا ہے۔ جس کی مختلف شکلیں اور متعدد قسمیں ہیں۔ اس کے اہم اغراض و مقاصد درج ذیل ہیں۔

اقتدار و سلطنت کو مضبوط کرنا، معبودوں کی اطاعت و شکر کا اظہار۔ یگیہ کی یہ عبادت کسی برہمن کے توسط سے انجام دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ مخلوقات اور خالق کے درمیان اصل واسطہ وہی ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے "الملل والنحل ۲/ ۲۶۱)

۲۔ پوجا: پوجا کے معنی معبودوں کی تقدیس و تمجید اور حمد و ثنا بیان کرنا اور ان کی خدمت میں پھولوں اور زعفران ملا ہوا خوش بودار پانی پیش کرنا۔ ہر معبود کی خدمت میں زعفران ملا ہوا خوش بودار پانی پیش کرنے کا علیحدہ اور مخصوص طریقہ ہے۔ بعض معبودوں کی خدمت میں ہتھیلی سے اور بعض کی خدمت میں برتن سے پانی پیش کیا جاتا ہے۔

۲۔ روزہ

نفسانی خواہشات پر کنٹرول کرنے اور جسمانی قوت کو کمزور کرنے کے لیے روزوں کی اہمیت عیاں راچہ بیاں کے مصداق ہے۔ اسی لیے ہر شریعت میں روزہ کسی نہ کسی شکل میں مشروع رہا ہے۔ ہندو دھرم میں روزے کی درج ذیل شکلیں اور طریقے رائج ہیں۔

چند متعین دنوں تک بلا افطار کیے ہوئے دن و رات کھانے اور پینے سے اجتناب کرنا۔ بعض ورت کے بقدر پانی اور دودھ استعمال کرتے ہوئے کھانوں سے اجتناب کرنا، چند دنوں تک صرف دوپہر کا کھانا تناول کرنا، غروب آفتاب کے بعد صرف دن میں ایک بار کھانا کھانا وغیرہ۔ ہمالیہ پہاڑ اور جنگلوں میں سادھوؤں اور راہبوں کی ایک ایسی قسم بھی پائی جاتی ہے جو مسلسل روزہ رکھتی ہے اور ایک مخصوص قسم کی جڑی سے صرف افطار کرتی ہے جسے ان کی حلق میں نچوڑ دیا جاتا ہے جس سے ان کی

زندگی کی رمق باقی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں مر جاتے ہیں۔

عام لوگ قمری تاریخ کے لحاظ سے ہر مہینے دسویں اور گیارہویں تاریخ کو، کرشن، رام اور پرہلاد کی تاریخ پیدائش کے دن، سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت روزہ رکھتے ہیں اور اسی طرح دسہرہ کے دن بھی ان کے یہاں روزہ رکھنا پسندیدہ ہے۔

۳۔ یاترا (حج)

یاترا کے لغوی معنی سیر و سفر کرنے کے آتے ہیں۔ اصطلاح میں یاترا مقدس مقامات اور معظم اشخاص کی زیارت کو کہتے ہیں۔ معظم افراد کی زیارت کا مقصود ان کی زندہ دل صحبتوں سے استفادہ اور ان کے مواعظ کو سننا ہوتا ہے۔ اور مقدس مقامات کی زیارت کا مقصود وہاں موجود بتوں کی پوجا ہوتی ہے۔ مشہور مقدس مقامات چار ہیں:

۱۔ دوارکا	Dwarka	۲۔ جگن ناتھ پوری	Jagannathpuri
۳۔ بادرک آشرم	Baderk asrm	۴۔ رامیشور	Rameshwar

گنگا و جمنا جیسی مشہور پاک ندیوں کی زیارت اور ان میں بنارس اور الہ آباد کے مقام پر غسل بھی مشروع ہے۔

یاترا کے آداب

۱۔ یاتری پر دوران یاترا اہل و اقارب سے قطع تعلق واجب ہے نیز دوران حج وہ اپنے اہل خانہ کی یاد بھی اپنے دل میں نہ لائے۔

۲۔ میقات (جو ہر یاتری کے گھر سے ایک کلو میٹر کے فاصلہ پر شروع ہوتی ہے۔) اپنے لباس کو اتار کر غسل کرنا اور پھر احرام کا لباس زیب تن کرنا واجب ہے۔ (احرام کا لباس زرد رنگ کی ایک لمبی قمیص اور ازار سے عبارت ہے۔) ہندوستانی بانس کی بنی ہوئی ایک لاٹھی رکھنا بھی ضروری ہے جس کے اوپر ایک خاص قسم کا پیتل کا بنا ہوا پانی کا برتن لٹکانا ضروری ہے۔ میقات سے روانہ ہوتے وقت اس مخصوص ورد کو دہرانا ضروری ہے۔ "ہرے کرشن ہرے رام"۔

بت پرستی

ہندوستان میں بت پرستی کا آغاز کب ہوا یہ بات تعیین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی۔ البتہ موہن جوداڑو اور ہڑپا کی کھدائی میں مورتیوں کی ایک بڑی تعداد برآمد ہوئی تھی جو زیادہ تر عریاں تھیں جس

میں شاید اس چیز کی جانب واضح اشارہ ہے کہ نجات اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ انسان دنیوی زندگی گزارے گا اور خواہشات اور کپڑوں کی جانب اس کا میلان ہوگا۔ بعض مورتیاں انتہائی دلکش، زیورات اور کپڑوں سے آراستہ تھیں۔ یہ مورتیاں درحقیقت وشنو فرقے کی ہوں گی جو لوگوں کو اپنی جماعت کی جانب مائل کرنے کے لیے ظاہری زینت و ٹیپ ٹاپ کا اہتمام زیادہ کرتا ہے۔

زمانہ قدیم ہی سے ہندوستان میں عورت و مرد کے اعضاء مخصوص (لنگ اور یونی) کی پوجا کا رواج بھی رہا ہے۔ لنگ پوجا درحقیقت شیو اور اس کی بیوی پاروتی کی جانب اشارہ ہے۔ جس کے ملاپ و اختلاط سے پورا عالم پیدا ہوا۔ ہندوستان چونکہ مظاہر قدرت کی پوجا میں کافی دلچسپی لیتا رہا ہے لہذا لنگ اور یونی کی پوجا بھی یہاں رائج ہوگی کیونکہ یہی دونوں تو تخلیق اور روئے زمین پر زندگی کے وجود و بقا کے منبع ہیں۔ چنانچہ موہن جوداڑو کی کھدائیوں میں لنگ اور یونی کی مختلف مورتیاں برآمد ہوئیں۔ مسٹر وارتھ (Varth) لکھتے ہیں "کافی عرصہ سے ہندو اپنے طبعی معبودوں کو تلاش کر رہے تھے انھیں لنگ اور یونی کی مورتیاں مل گئیں۔ ہندو جو خدا کی آدمی اور بیل کی صورت میں پوجا کرتے رہے ہیں ان سے لنگ اور یونی کی پوجا مستبعد نہیں ہے کیونکہ ان دونوں کی عبادت طبعی عناصر کی عبادات کے ان کے مزاج سے زیادہ ہم آہنگ ہے۔" (Religion of India /261)

وید بھی لنگ پوجا کی اہمیت کے ذکر سے خالی نہیں ہیں۔ رگ وید کا ایک منتر ملاحظہ ہو "وہ اندر ہے جو اپنی حسن تدبیر سے جنگوں میں معرکہ آرائی کرتا ہے اور اپنے دشمنوں سے مال غنیمت چھین لیتا ہے خواہ یہ اموال سو دروازوں کے درمیان ہی کیوں نہ محفوظ کیے گئے ہوں اور ان خبیث روحوں کو بھگاتا ہے جو لنگ کی عبادت کرتی ہیں۔" (۲۱/۵/۹)

وید کی اس عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ لنگ پوجا کا رواج آریوں کی آمد سے پہلے ہی رائج تھا جسے آریہ شروع شروع میں ناپسند کرتے تھے لیکن امتداد ایام نے اسے مرغوب بنا دیا۔ رامائن میں بھی لنگ پوجا کا تذکرہ آیا ہے۔ لنکا کے بادشاہ راون ہمیشہ اپنے ساتھ سونے کا ایک لنگ رکھا کرتے تھے۔ سرجان مارشل نے موہن جوداڑو کی کھدائیوں میں برآمد ہونے والی لنگ کی مورتیوں کی ہیئت اور صفت، لمبائی اور چوڑائی پر تفصیلی بحث کی ہے نیز اس مواد کا ذکر بھی تفصیل سے اپنی کتاب (Mohan Jodor in Indus Civilisation) میں کیا ہے جس سے یہ لنگ تراشے گئے ہیں

ہندوؤں کے اہم دیوتاؤں میں سے ایک ماتری دیوی (یعنی سرزمین وطن) بھی ہے۔ بلوچستان کے علاقہ میں اس کے بعض بت پائے گئے تھے۔ ویدوں میں ماتری دیوی کی پوجا کی فضیلت و اہمیت یوں بیان کی گئی ہے کہ زمین ہی چونکہ بچے کا پہلا گہوارہ ہے یہیں پھر وہ مستقل بود

باش اختیار کرتا ہے اور زمین ہی اس کی جملہ ضروریات پوری کرتی ہے لہذا وہ مستحق ہے کہ اس کی تمجید بیان کی جائے، اس کے سامنے اپنے سروں کو جھکایا جائے۔ چنانچہ ہندوؤں نے اپنی عادت کے مطابق وطن کے نام سے بھی ایک دیوی بنالی جسے ماتری دیوی کہا جاتا ہے۔ آریہ شروع شروع میں بت پرستی سے واقف نہ تھے ان کے یہاں بت پرستی کا آغاز جینیوں اور قدیم ہندوستانی تہذیب سے اختلاط کے نتیجے میں ہوا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں جین مت کے ظہور کے بعد جب عوام الناس جینی مورتیوں سے متاثر ہونے لگے تو ہندو دھرم میں بھی بتوں کے بنانے کا آغاز ہوا اور پھر عوام کی توجہ اپنی جانب منعطف کرنے کے لیے اہم دیوتاؤں کی مورتیاں بنائی جانے لگیں۔ چنانچہ شیو، وشنو، اور ان کی بیویوں کی مورتیاں بنائی گئیں اور ان کی مختلف حیثیتوں کے لحاظ سے نوع بنوع کی مورتیاں بنائی گئیں شیو کا سب سے مقبول روپ مہایوگی کا ہے۔ اس صورت میں اس کو دنیا سے کنارہ کش ایک سنیاسی اور یوگ کے ماہر کی حیثیت سے پہاڑوں میں تربیت نفس میں مشغول دکھایا جاتا ہے اس کے ساتھ ایک ترشول اور سنیاسیوں کا کمنڈل ہوتا ہے اور وہ کسی چٹان پر شیر کی کھال بچھائے یوگا کے آسن میں بیٹھ مراقبہ میں غرق ہوتا ہے۔ پاروتی جو کالی اور درگا کی حیثیتوں میں زیادہ پوجی جاتی ہے شیر پر سوار اپنے ترشول سے بھینسا مار اسُر کو مارتی ہوئی دکھائی جاتی ہے۔ اس کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کی مالا ہوتی ہے اور نکلی ہوئی لال زبان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ابھی ابھی خون پی کر آرہی ہے۔ اس کے ایک ہاتھ میں خونخوار تلوار ہوتی ہے اور دوسرا ہاتھ اپنے بھگتوں کو تسلی کا اشارہ دیتا معلوم ہوتا ہے۔

گائے پوجا

ہندو دھرم میں گائے کا مقام بڑا ہی بلند و ارفع ہے کیونکہ کھیتی باڑی والے ہندوستان میں گائے آریوں کا قیمتی سرمایہ تھی۔ جس سے وہ دودھ حاصل کرتے، اس کی کھالوں کو بستر کے طور پر بچھاتے اور جس کے بچوں کو وہ ہلوں میں جوتتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی مقدس کتاب وید میں اس کی فضیلت و اہمیت درج کردی۔

رگ وید میں ہے "گائے ان بہادروں کی ماں ہے جو دشمنوں کو زیر کرتے ہیں، وہ خدا کی بچی اور آدت (خدا کا نام) کے بیٹوں کی بہن اور زندگی کا مرکز ہے۔ لہذا میں بہادر اور غیور انسانوں سے گایوں کو ذبح نہ کرنے کی درخواست کرتا ہوں" (۱۵/۱۰۱/۸)

اتھرا وید میں ہے "جو شخص گائے کو اپنے پاؤں سے مارے وہ سزا کا مستحق ہے۔"

(۳۹/۳۶) رگ وید کے ایک اور منتر میں ہے "ہم نے گائے کو علم و عرفان کا منبع بنایا ہے۔ گائیں اندر دیوتا کی خدمت کرتی ہیں۔" (۱۰/۱۷۳ء)

ہندوؤں کے مشہور دیوتا اور وشنو کے اوتار شری کرشن جی گایوں سے بڑی محبت کرتے تھے اسی لیے ان کا لقب "گوپال" پڑ گیا (یعنی گائے کا رکھوالا)

ہندوؤں کے نزدیک سب سے پسندیدہ صدقہ گائے کا صدقہ ہے مختلف دینی پروگراموں اور شادی کے موقع پر گائے کا صدقہ مقدس ترین صدقہ مانا جاتا ہے۔ (دیکھیے رگ وید ۱۰/۵/۱۷، ۹ ۲۰/۹/۱۰۱، ۳۶/۲۷/۹)

بیسویں صدی میں گاندھی جی گائے کی پوجا کے سب سے بڑے داعی تھے۔ انھوں نے مسلمانوں سے ایک جانب گائے ذبح نہ کرنے کا مطالبہ کیا تو دوسری جانب ہندوؤں کے جذبات کو گائے پوجا کے تئیں یوں ابھارا کہ "ہندو مذہب روئے زمین پر اس وقت تک باقی رہے گا جب تک ہندو گائے کی حفاظت کرتے رہیں گے۔" گاندھی جی اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ہندو دھرم کے مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد و یگانگت کے لیے ہندوؤں کے پاس کوئی متفق علیہ عقیدہ یا اصول یا رسم و رواج نہیں ہے لہٰذا ان کے درمیان شیرازہ بندی اور ہندو دھرم کے حفاظت کے لیے کسی ایسے نقطہ کی تلاش ضروری ہے جس پر سبھی متفق ہوں چنانچہ انھوں نے اس مقصد کے لیے گائے کی قداست کو استعمال کیا اور اپنے مختلف مضامین میں انھوں نے اس کی اہمیت بیان کی اور ویدوں کے مذکورہ بالا منتروں کا اس کے لیے استعمال کیا لیکن اگر گاندھی جی سے یہ کہا جائے کہ کیا آپ گائے کی کھالوں کو فرش اور اس کی ہڈیوں سے اسلحہ بنائیں گے جیسا کہ آریوں کا معمول تھا؟ تو میرا خیال ہے کہ وہ ہرگز راضی نہ ہوں گے کیوں کہ انھوں نے اپنے ایک مضمون میں گائے کو اپنی حقیقی ماں سے بھی زیادہ افضل قرار دیا ہے۔

ہندو فقہ

ہندو دھرم انسانی زندگی کو چار مرحلوں میں تقسیم کرتا ہے اور ہر مرحلہ کی مدت پچیس سال مقرر کرتا ہے۔ منو نے اپنی کتاب "منو اسمرتی" میں ہر دور کے احکام تفصیل سے بیان کیے ہیں جس کا ایک مختصر خاکہ ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔

۱۔ برہمچاریہ آشرم (تعلیم و تربیت کا دور) ۲۔ گرہست آشرم (عائلی زندگی)

۳۔ بنیاس آشرم (جسمانی و روحانی تربیت کا دور) ۴۔ وان پرستھ آشرم (مجرد رہبانیت)

برہمچاریہ آشرم

برہمچاریہ آشرم کا آغاز آٹھ سال سے شروع ہوتا ہے اور چوبیس سال کی عمر پر ختم ہوتا ہے اس عہد کا سب سے اہم ترین فریضہ یہ ہے کہ طالب علم ظاہری زینت، خوشبوؤں کے استعمال اور عورتوں سے پرہیز کرے۔ دیانند سرسوتی لکھتے ہیں "اگر اس عہد میں طالب علم شادی کرلے تو وہ اپنی بیوی کے قریب نہ جائے اور نہ ہی اس کے ساتھ رات گذارے۔" (ستیارتھ پرکاش ۹۸/۳)

منو سمرتی میں ہے "پہلے دور میں طالب علم کا سب سے پہلا کام اپنی ماں یا بہن یا خالہ یا کسی ایسی عورت سے سوال کرنا ہے جو انکار نہ کرے" (۵۰/۲) اور طالب علم پر واجب ہے کہ وہ روزانہ صرف ایک بار کھانا کھائے (۵۵/۲) سبق کے آغاز و اختتام پر اپنے استاد کے سامنے سجدہ کرے اور صف بستہ ان کے سامنے اس طرح کھڑا رہے جس طرح نمازی اللہ کے آگے کھڑا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کو جانے کی اجازت دے دے۔" (۱۷۳/۲) منو نے طالب علم کے آداب و طالب علم کے فرائض کو یوں بیان کیا ہے "طالب علم اپنی خواہشات پر کنٹرول کرے اور اپنے استاد کے گھر رات گذارے اور معبودوں کی خدمت میں چڑھاوے پیش کرنے کے لیے روزانہ پانی سے غسل کرے۔" (۱۷۵/۱)

طالب علم پر شراب پینا، گوشت کھانا، خوشبوؤں کا استعمال، عورتوں کی قربت اور حیوانات کو قتل کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح عورت کی جانب شہوت بھری نگاہ سے دیکھنا۔ اسے اپنے منی کی ہر حالت میں حتیٰ کہ نیند کی حالت میں بھی حفاظت کرنا چاہیے لیکن اگر ان تمام تدابیر کے باوجود اسے احتلام ہو جائے تو وہ پانی سے غسل کرے۔" (۱۷۷/۲، ۱۸۱)

طالب علم ویدک تعلیمات پر عمل پیرا خاندان سے بھیک مانگے اور اپنے خاندان سے سوال کرنے سے پرہیز کرے البتہ کسی اور سے صدقہ نہ پانے کی صورت میں اپنے خاندان سے بھیک مانگ سکتا ہے (۱۸۳/۱، ۱۸۴) وہ طالب علم جو اپنے استاد کی غیبت سنے وہ دوسری زندگی میں گدھے کے روپ میں جنم لے گا اور جو اس پر تنقید کرے وہ شیطان کے روپ میں پیدا ہوگا اور جو اپنے اموال کو ضائع کرے وہ کیڑے مکوڑوں کی حالت میں جنم لے گا" (۲۰۱/۲) طالب علم پر اپنے استاد کے احترام و تعظیم کی خاطر ان کے ساتھ گاڑیوں میں یا چٹائیوں اور کرسیوں پر بیٹھنا اور کشتی پر سوار ہونا حرام ہے (۲۰۳/۲، ۲۰۴)

طلوع آفتاب سے پہلے اگر طالب علم بیدار نہ ہو سکے تو اس پر اس دن روزہ رکھنا اور سورج کی تسبیح بیان کرنا واجب ہے اور اگر غروب آفتاب کے وقت وہ غفلت میں ہو تو وہ دوسرے دن کا روزہ رکھے کیوں کہ طلوع وغروب آفتاب کے وقت نیند اور غفلت موجب گناہ ہے۔ (۲۲۰/۲)

طالب علم ۳۶ سال اپنے استاد کی خدمت میں گذارے تاکہ اس مدت میں اسے وید کے ادب پر پورا عبور حاصل ہو جائے اور اگر ۳۶ سال گزارنا مشکل ہو تو اٹھارہ سال اور کم از کم نو سال اور پھر اس کے بعد عائلی زندگی کا آغاز کرے۔ (۲۰۱/۳) منو عہد اول کے احکام بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں "برہم چاریہ آشرم کے ان احکام وآداب کی جو پیروی کرے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا اور دوبارہ وہ اس دنیا میں واپس نہ آئے گا (۲۴۹/۲)

چھندوگیا اپنشد میں برہمچاریہ آشرم کے تین مراحل بتائے گئے ہیں۔

ا۔ کنشٹ برہمچاریہ (چوبیس سال) ۲۔ مادھیام برہمچاریہ آشرم (۴۴ سال) ۳۔ اتام برہمچاریہ آشرم (۴۸) (۱۶/۳)۔ دیانند کہتے ہیں: شادی کے لئے مناسب عمر چالیس سال ہے کیونکہ اس عمر میں جسم کے سب اجزاء، حواس، طاقت، قوت اور دھات میں پختگی آجاتی ہے اور اس سے بھی افضل تر ۴۸ برس کی عمر ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ۲۸/۳) عورت اور مرد دونوں کے لیے کیا برہمچریہ کا یہ قانون یکساں ہے اس کا جواب مہرشی دیانند سرستی یوں دیتے ہیں: مرد کے پچیس برس کے مقابلے میں عورت کے برہمچریہ کی میعاد سولہ برس، مرد کے تیس برس کے مقابلے میں سترہ برس، چھتیس برس کے مقابلے میں اٹھارہ برس، چالیس کے مقابلے میں بیس، چوالیس کے مقابلے میں بائیس اور اڑتالیس کے مقابلے میں چوبیس برس کے بعد عورت کو مجرد نہیں رہنا چاہیے۔ (ستیارتھ پرکاش ۲۹/۳) گاندھی جی کے نزدیک تجرد کی زندگی سب سے افضل ہے اور اگر کوئی شادی کر لے تو پھر ان دونوں کو بھائی اور بہن کی طرح زندگی گزارنی چاہیے۔

گرہست آشرم

ہندو دھرم اپنی ہیئت اور فطرت کے لحاظ سے رہبانیت پسند واقع ہوا ہے چنانچہ سادھو اور سنت دنیوی زندگی کی مذمت بیان کرتے ہیں اور اپنے متبعین کو ترک دنیا کی تعلیم دیتے ہیں البتہ بعض ہندو مفکرین نے ہندو دھرم پر رہبانیت کے خطرات کا احساس کرتے ہوئے عائلی زندگی کی جانب توجہ دلائی اور سب سے پہلے منو نے اپنی کتاب میں اس کی فضیلت یوں درج کی "گرہست آشرم کا دور

بقیہ تمام ادوار سے افضل ہے۔" (۷۸/۳)

دیانند لکھتے ہیں "چونکہ برہمچاری (طالب علم) عزلت گزین اور سنیاسی ان تین آشرم والوں کا انحصار خانہ داروں کی روزانہ خیرات اور وظائف وغیرہ پر ہے اس لیے خانہ داری زندگی کی افضل ترین منزل ہے۔ (تعمیر حیات کا سنگ بنیاد خانہ داری ہے) اس لیے جو شخص منزل خانہ داری کی مذمت کرے وہ خود قابل مذمت ہے اور جو شخص اس کے اوصاف حمیدہ کا قائل ہے وہ خود قابل تحسین ہے" (ستیارتھ پرکاش ۱۳۳/۴-۱۳۴) اس عہد میں ہر ہندو کی ذمہ داری شادی کرنا اور اپنے اہل وعیال کے لیے روزی کمانا ہے۔

وان پرستھ آشرم

منزل عزلت گزینی کے فرائض منو لکھتے ہیں "جب انسان بوڑھا ہو جائے اور اس کے بال سفید ہو جائیں اور اس کے چہرے پر جھریاں آجائیں اور وہ پوتوں اور پوتیوں والا بن جائے تو اسے عائلی زندگی ترک کرکے جنگل کا رخ کرنا چاہیے اور اگر چاہے تو بیوی کے ساتھ جائے ورنہ تنہا اور صرف زمین کے پھلوں اور پھولوں پر اکتفا کرے اور اپنے سر، داڑھی، اور مونچھوں کو خوب بڑھائے اور ناخن نہ ترشوائے (۲/۶-۳) اور جسمانی آرام کا خیال نہ کرنے پر مجبور رہے۔ عورت ساتھ میں ہو تو بھی حرکات نفسانی سے باز رہے، زمین پر سوئے اپنے پر منحصر لوا تعلق اور مال واسباب سے زیادہ محبت نہ کرے اور درخت کے نیچے قیام کرے۔ (۲۶-۹/۶)

سبزیوں، پھلوں اور صرف پھولوں کو استعمال کرے اور گوشت وشراب سے مکمل اجتناب کرے (۱۳/۶) ایک دن کھائے اور ایک دن روزہ رکھے (۱۹/۶) زمین پر چت لیٹا رہے یا پورے دن پاؤں کے اگلے حصے پر کھڑا رہے (۲۲/۶) گرمی کی شدت کو برداشت کرے، تیز دھوپ میں بیٹھے ایام برسات میں آسمان کے نیچے رات گذارے اور سخت ٹھنڈک میں پانی میں بھیگا ہوا لباس پہنے اور اس طرح اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور سزا دے۔ (۲۳/۶)

مختصر یہ کہ طرح طرح کی ریاضتوں، عارفوں کی صحبت، یوگ کی مشق اور پاکیزہ خیالی سے علم اور پاکیزگی حاصل کرے اور اس طرح زندگی کی تیسری منزل یعنی پچاسویں برس سے لے کر پچھترویں برس تک جنگل میں عزلت گزیں رہے اور حیات کے چوتھے حصے میں قید علائق سے آزاد ہو کر سنیاسی ہو جائے۔ (۳۳/۶)

(بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

تعارف و تبصرہ

ابو عبد الرحمن محمد رفاقی

نام	متنہائے تفتیش (جلد اول)
از	پروفیسر اکبر رحمانی
ضخامت	۱۴۰ صفحات
قیمت	۴۰ روپے
ناشر	ایجوکیشنل اکادمی، اسلام پورہ، جلگاؤں، ۴۲۵۰۰۱ مہاراشٹر

پیش نظر کتاب ہندوستان کے واحد اور منفرد تعلیمی ماہنامہ "آموزگار" جلگاؤں کے منتخب اداریوں کا مجموعہ ہے۔ جو گذشتہ دس بارہ سال کی فائلوں سے ترتیب دئے گئے ہیں اور جن میں تعلیم و تدریس سے متعلق بہت ہی اہم مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے فکر انگیز خیالات کا اظہار کیا گیا ہے اور عملی رہنمائیاں فراہم کی گئی ہیں مختلف شکلوں میں ان میں سے بیشتر مسائل آج بھی پریشان کن بنے ہوئے ہیں اور حل طلب ہیں۔ اس تناظر میں آج بھی تعلیمی میدان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ اداریے "گائیڈ" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امید کہ وہ اس سے ضرور مستفیض ہوں گے۔

بطور نمونہ میں صرف ایک پہلو آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ "آموزگار" کے ذریعہ ہی پہلی بار یہ بات منظر عام پر آئی کہ ملت کے نونہالوں کی دینی تعلیم کے لئے علیحدہ دینی مدارس کا قیام ضروری نہیں ہے بلکہ سیکولر حکومت سے امداد پانے والے اسکولوں میں دینی تعلیم کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسا کرنا ایس ایس کوڈ کی دفعات کے متعارض نہیں ہے بلکہ بعض انتظامی شرائط کے ساتھ پوری گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ ہیڈ ماسٹرس ایسوسی ایشن مہاراشٹر (پرنسپل رئیس ہائی اسکول بھیونڈی) نے اس پر مفصل بحث کی تھی اور اس وقت اتفاق رائے سے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ جون ۱۹۷۶ء سے مہاراشٹر کے تمام اردو ہائی اسکولوں میں دینی تعلیم شروع ہوگی گرچہ پرانی غلط فہمی کی وجہ سے تمام اسکولوں میں دینی تعلیم کا آغاز نہیں ہو سکا لیکن اس کے بعد سے ایک لہر چل پڑی

(بقیہ صفحہ نمبر ۳۰ پر)

جامعہ کے لیل و نہار

قربانی اسکیم

جامعۃ الفلاح بلریا گنج ہندوستان کا معروف دینی ادارہ ہے۔ یہاں تقریباً پانچ ہزار طلبہ و طالبات زیر تعلیم ہیں۔ ان میں سے گیارہ سو طلبہ و طالبات ہاسٹل میں رہ کر حصول تعلیم میں مصروف ہیں دار الاقامہ میں رہنے والے طلبہ و طالبات کا تعلق ہندوستان کے مختلف حصوں اور نیپال سے ہے ان کی اکثریت نادار اور مصارف تعلیم و طعام و قیام کی ادائیگی سے قاصر ہے۔

جامعہ میں عالمیت و فضیلت و مخصوص مضامین میں تخصص کی تعلیم جدید عصری اسلوب میں دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ الحمد للہ یہاں کے فارغین پوری دنیا میں اسلام اور تحریکات اسلامی کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ذمہ داران جامعہ ملت کے اصحاب خیر حضرات کے تعاون سے جملہ تعلیمی و تنظیمی اخراجات کی تکمیل کے ساتھ ان طالبان علم کی کفالت کا بار بھی اٹھاتے ہیں۔ جامعہ کی آمدنی کے مستقل ذرائع کے بطور طلبہ سے مختلف فیس، اصحاب خیر کی مختلف انداز کی اعانت، عشر و زکوٰۃ، صدقات و خیرات، اور بعض اوقاف وغیرہ ہیں۔

ادارے کے ساتھ تعاون، طلبہ و طالبات کے ساتھ اظہار محبت اور اجر آخرت کے بہترین ذریعہ کے طور پر جامعہ اپنے تحت ایک قربانی اسکیم بھی چلاتا ہے۔ اس اسکیم کے تحت ملت کے اصحاب خیر اور مدرسہ کے بہی خواہان اپنی یا اپنے اعزہ کے نام کی قربانی کے لئے چھوٹے بڑے جانوروں کی قیمت ارسال کرتے ہیں۔ اس قیمت سے حسب ہدایت اور حسب ضرورت جانور خرید کر احاطہ جامعہ میں قربانی کا نظم کیا جاتا ہے۔ اس کا گوشت دار الاقامہ میں مقیم طلبہ و طالبات اور دیگر حاجت مندوں کے لئے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ اور چرم قربانی ادارے کو پہنچ جاتی ہے جس کی قیمت سے ادارے کے دیگر ضروری اخراجات کی تکمیل ہوتی ہے۔

الحمد للہ یہ اسکیم ایک مدت سے زیر عمل ہے۔ ہمارا منصوبہ ہے اس کو مزید منظم اور بہتر بنایا

جائے۔ افراد عام اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کی حصہ داری کے لئے اس پروگرام کو مشتہر کیا جارہا ہے۔ جو حضرات اپنی قربانی کے درست استعمال کے خواہشمند ہیں انہیں متوجہ کیا جارہا ہے کہ جامعۃ الفلاح کے تحت قوم قربانی اسکیم میں حصہ لیں۔ طالبان جامعہ، جامعہ اور خادمین جامعہ سے اشتراک و تعاون اور یک جہتی کا ثبوت فراہم کریں۔

بھری، بکرا، بھیڑ، مینڈھا ایک نام سے ہوگا اور بڑے جانور میں سات نام شامل ہو سکتے ہیں۔ ایک جانور کی قربانی پر تین سے چار ہزار روپے خرچ ہوتے ہیں۔ اسی حساب سے اہل خیر حضرات سے رقوم ارسال فرمانے کی اپیل کی جاتی ہے۔

رابطہ کا پتہ

NAZIM JAMIATUL FALAH
BILARIAGANJ AZAMGARH U.P.
INDIA PIN: 276121
A/C 20001 U.B.I. BILARIAGANJ BRANCH
☎ (05466) 25140, 25160, 25149, 25115
E-MAIL jamiatulfalah@yahoo.co.in
WEBSITE www.jamiatulfalah.com

نئے تعلیمی سال کا آغاز

الحمد للہ رمضان المبارک کی تعطیلات کے بعد ۲۳ر دسمبر بروز اتوار سے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو گیا۔ ۲۳ر دسمبر تا ۳۱ر دسمبر تک داخلہ، تجدید داخلہ اور ضمنی امتحان وغیرہ کی جملہ کارروائیاں کارکنان و اساتذہ کرام کے تعاون و اشتراک سے بحسن و خوبی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں اور اب یکم جنوری سے باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہو چکا ہے اور طلبہ و اساتذہ پوری مستعدی و انہماک کے ساتھ درس و تدریس میں لگ گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس نئے تعلیمی سال کو کامیاب بنائے اور ہماری جملہ مساعی کو شرف قبولیت سے نوازے۔

جامعۃ الفلاح ویب سائٹ پر

یہ خبر جملہ متعلقین جامعہ کے لیے بے حد مسرت افزا ہوگی کہ جامعۃ الفلاح کا ویب سائٹ کھل گیا ہے اور اب جامعہ، اس کے قواعد و ضوابط، اس کی مختصر تاریخ اور اس کے مراحل ارتقاء وغیرہ کو اس پتہ پر دیکھا جا سکتا ہے: **WEBSITE: www.jamiatulfalah.com**

دعائے صحت

یہ خبر دیتے ہوئے ہمیں بے حد تکلیف ہو رہی ہے کہ جامعہ کے قدیم اور بزرگ استاد اور

اس کی تعمیر و ترقی میں اہم رول ادا کرنے والے جناب مولانا شبیر احمد صاحب اصلاحی سخت علیل اور صاحب فراش ہیں اور فی الحال دہلی میں زیر علاج ہیں۔

یہ خبر بھی متعلقین جامعہ کے لیے موجب رنج و غم ہوگی کہ کلیۃ البنات لنسواں کے ایک بزرگ استاد جناب مولانا افتخار الحسن صاحب ندوی کے دونوں پاؤں ایک ناگہانی حادثہ میں ٹوٹ گئے ہیں۔ موصوف اعظم گڑھ میں ڈاکٹر جاوید صاحب کے یہاں زیر علاج ہیں...... اور حال ہی میں ناظم جامعہ جناب مولانا ابو البقا ندوی صاحب عرق النساء کا شکار ہو گئے ہیں۔ قارئین حیات نو سے عموماً اور فلاحی برادران سے خصوصاً دعاء صحت کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ ان بزرگوں کو شفاء عاجل و کامل عطا فرمائے اور ان کی بیماریوں کو ان کی لغزشوں کی مغفرت اور درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

فضیلت مع تخصص

جامعہ کے نئے نصاب کے مطابق فضیلت میں قرآن کریم، حدیث اور دعوت میں سے کسی ایک مضمون میں طالب علم تخصص کر سکتا ہے۔ قرآن کریم میں تخصص کی تفصیلات درج ذیل ہیں۔ سال اول میں تفسیر ابن کثیر کی روشنی میں سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الاعراف کا تفصیلی مطالعہ۔ علوم قرآن میں علوم قرآن کی مختصر تاریخ نزول قرآن کی تفصیلات اور وحی کی حقیقت، قرآن کا اسلوب نگارش، محکم، متشابہ اور ترجمہ قرآن اور اس کے احکام کا مطالعہ شامل ہے۔ مناہج تفسیر کے تحت تفسیر قرآن کے مراحل ارتقاء، اس کی قسمیں اور خصوصیات اور ہر قسم کی مشہور کتابوں کا تعارف کرایا جائے گا اور احکام قرآن کے تحت احکام القرآن فی ضوء روائع البیان، تفسیر آیات الاحکام کے پہلے جزء کے بائیس محاضرات کا مطالعہ کرایا جائے گا۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی سیمینار کا مختصر تعارف و خاکہ

بیسویں صدی عیسوی عالمی سطح پر فکری انقلابات اور سیاسی و سماجی تغیرات کی صدی ہے۔ اس کے ربع اول میں خاتمہ خلافت کے بعد استعماری طاقتوں نے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں اپنے خونی پنجے گاڑ دیے تھے۔ اشتراکیت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ مغرب کی ذہنی غلامی وبا کی طرح پھیل رہی تھی اور دین اسلام سے بیزاری ترقی کی علامت بن گئی تھی۔ قومیت، لادینیت اور تفریق دین و سیاست کے شور میں اسلام کے حقیقی خدوخال دھندلا کر رہ گئے تھے۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں اللہ تعالیٰ کی تائید و توفیق سے عالم اسلام کے مختلف حصوں میں ایسی شخصیات اٹھیں جنھوں نے مغربی تہذیب کا طلسم توڑا اور اسلام کا بے آمیز اور انقلابی تصور پیش کیا۔ برصغیر میں اس کام کو جس عظیم شخصیت نے نہایت جامعیت اور بلند آہنگی کے ساتھ انجام دیا۔ ان کا نام مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۹ء) ہے۔

مولانا مودودی نے باطل افکار ونظریات پر تیشہ زنی کی اور ان کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ انھوں نے اسلام کو اس کے اصل خد وخال کے ساتھ دنیا کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جس انداز سے قرآن کریم نے پیش کیا ہے۔ انھوں نے بیانگ دہل اعلان کیا کہ اسلام دیگر مذاہب کی طرح ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل نظام زندگی ہے۔ وہ دنیا میں مغلوب رہنے کے لیے نہیں بلکہ دنیا کی رہنمائی کرنے آیا ہے۔ انھوں نے اسلام اور جاہلیت کا فرق واضح کیا اور اس کشمکش کی وضاحت کی جو زندگی کے مختلف میدانوں میں اسلام اور جاہلیت کے درمیان برپا ہے۔ انھوں نے مغربی تہذیب کا زہر کافور کیا اور اسلامی تہذیب پر اعتماد بحال کیا۔ انھوں نے مذہب وسیاست کی تفریق کا خاتمہ کیا۔ مغربی تہذیب کے زیر اثر دین دار حلقوں میں بھی مذہب اور سیاست کو الگ الگ خانوں میں بانٹ دیا گیا تھا اور سیاست کو شجر ممنوعہ سمجھ لیا گیا تھا۔ مولانا نے پوری قوت کے ساتھ اعلان کیا کہ اسلام ایک کل ہے جس کے حصے بخرے نہیں کیے جا سکتے، اسے پورے کا پورا اختیار کیا جانا چاہیے۔ مولانا نے اسلام کو ایک کامل نظام زندگی کی حیثیت سے نہ صرف پیش کیا بلکہ اسے عملاً برپا کرنے کے لیے ایک تحریک کی بنیاد ڈالی جو اس دعوت کو غالب کرنے کے لیے انفرادی واجتماعی، سیاسی ومعاشرتی اور تعلیمی وتربیتی غرض ہر پہلو سے جدوجہد کر رہی ہے۔

آج مولانا مودودی کی فکر کے اثرات عالمی سطح پر محسوس کیے جا رہے ہیں۔ ان کی فکر کسی ایک ملک یا خطہ تک محدود نہیں ہے بلکہ عالم اسلام سے متجاوز ہو کر پوری دنیا میں عام ہو گئی ہے۔ مختلف ملکوں میں برپا اسلامی تحریکات کے قائدین اس سے اکتساب واستفادہ کر رہے ہیں۔ اور اس کی روشنی میں اپنے ملکوں کے مخصوص حالات میں عملی تجربات کر رہے ہیں۔ ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ مولانا مودودی کی فکر کا تجزیاتی مطالعہ کیا جائے۔ اس کے ماله اور ماعلیہ پر کھلے ذہن سے بحث کی جائے۔ جن علوم وفنون پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے ان میں نئے رجحانات اور ترقیات کا جائزہ لیا جائے در اصل مولانا مودودی کو خراج تحسین پیش کرنے کا در اصل یہی صحیح طریقہ ہے۔

جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ (اتر پردیش) شمالی ہند کا ایک عظیم الشان تعلیمی ادارہ ہے اس کی تاسیس ۱۹۶۲ء میں تحریک اسلامی ہند کے بعض ممتاز افراد نے کی تھی۔ مولانا مودودی نے اسلامی نظام تعلیم کا جو خاکہ پیش کیا تھا یہ ادارہ اس کی ایک مثالی تجربہ گاہ ہے۔ یہاں دینی علوم کے ساتھ عصری ضرورتوں سے ہم آہنگ بعض جدید علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ اس کا مقصد تاسیس ایسے افراد تیار کرنا ہے جو قرآن وسنت کے گہرے علم اور دینی بصیرت سے بہرہ ور ہوں، غیر اسلامی افکار ونظریات سے بخوبی واقف ہوں، وقت کے مسائل پر نظر رکھتے ہوں، اسلامی اخلاق وکردار کے

حامل ہوں، احیائے دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبے سے معمور ہوں اور گروہی، جماعتی اور فقہی اختلافات سے بالاتر ہو کر وسعت قلب ونظر کے ساتھ معاشرہ کی اصلاح وتعمیر کا فریضہ انجام دے سکیں مولانا مودودی کو اس تعلیمی ادارے سے بڑی توقعات تھیں۔ ایک معتبر روایت کے مطابق ایک موقع پر انھوں اس کے بارے میں فرمایا تھا "جامعۃ الفلاح کے موذن نے **'حیّ علی الفلاح'** کی آواز اتنی زور سے لگائی ہے کہ طلبہ کی کثرت کی وجہ سے بہت جلد اسے تنگ دامنی کا احساس ہونے لگے گا۔

جامعۃ الفلاح نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی پر نومبر یا دسمبر ۲۰۰۳ء میں ایک بین الاقوامی سیمینار منعقد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ۲۰۰۳ء کو صد سالہ جشن مودودی کے طور پر منایا جائے۔ فکر مودودی پر مباحثے، اسپوزیم، خطابات، تحریری وتقریری مقابلے اور دیگر موثر پروگرام رکھے جائیں۔ اس سلسلہ کا سب سے اہم پروگرام ان شاء اللہ مجوزہ عالمی سیمینار ہوگا۔

سیمینار کا مرکزی موضوع **"فکر اسلامی کی تشکیل جدید اور مولانا مودودی"** ہوگا۔ رہنما موضوعات کی فہرست درج ذیل ہے تجاویز ومشوروں کی روشنی میں حذف واضافہ ممکن ہے۔

۱. علوم اسلامی

۱۔ مولانا مودودی کی تفسیری خدمات (ترجمہ قرآن میں مولانا مودودی کا نقطہ نظر، تفہیم القرآن کی خصوصیات)
۲۔ مولانا مودودی کا نظریہ حدیث
۳۔ مولانا مودودی کی فقہی بصیرت
۴۔ مولانا مودودی کی مجتہدانہ شان
۵۔ مولانا مودودی اور جدید علم کلام

۲. علوم عامہ

۱۔ مولانا مودودی بحیثیت مورخ، مولانا مودودی کی تاریخ نگاری
۲۔ مولانا مودودی اور تصوف
۳۔ مولانا مودودی کے معاشی افکار
۴۔ مولانا مودودی کے تعلیمی افکار
۵۔ مولانا مودودی کا نظریہ تعلیم اور جامعۃ الفلاح

۳. نظریات و تحریکات

۱۔ مولانا مودودی اور رد قادیانیت
۲۔ مولانا مودودی اور رد اشتراکیت
۳۔ مولانا مودودی اور رد فتنہ انکار حدیث

۴۔ مولانا مودودی کی مغربی تہذیب پر یلغار
۵۔ موجودہ علمی رجحانات فکر مودودی کے تناظر میں

۴۔ اسلام کی سیاسی فکر

۱۔ مولانا مودودی کی سیاسی بصیرت، سیاسی افکار
۲۔ دستور و قانون اسلامی فکر مودودی کی روشنی میں
۳۔ اسلامی نظام حیات اور مولانا مودودی
۴۔ فکر مودودی میں "اقلیت" کا مقام
۵۔ قومیت، جمہوریت اور سیکولرازم پر مولانا کی تنقیدیں

۵۔ تحریک اسلامی

۱۔ فریضہ اقامت دین اور اس کے تقاضے
۲۔ خواتین کا مطلوب کردار مولانا مودودی کی نظر میں
۳۔ دین کا انقلابی تصور اور مولانا مودودی
۴۔ اسلامی نشاۃ ثانیہ اور مولانا مودودی
۵۔ برصغیر میں تحریکات اسلامی کی اسٹراٹیجی فکر مودودی کے آئینے میں

۶۔ فکر اسلامی کی تشکیل جدید

۱۔ تجدید و احیائے دین ایک تاریخی جائزہ
۲۔ فکر مودودی کے اجزائے ترکیبی
۳۔ معرکہ حق و باطل اور مولانا مودودی
۴۔ اسلامی نظام حیات اور اس کے خدوخال
۵۔ اسلامی نظریہ حیات اور معاصر دنیا

۷۔ تصانیف مودودی تعارف اور اعتراضات

۱۔ اہم تصنیفات۔ مثلاً خلافت و ملوکیت، تفہیم القرآن، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، تجدید و احیائے دین، مسئلہ قومیت، سود، اسلامی سیاست وغیرہ
۲۔ تصنیف مودودی پر اعتراضات اور اس کا جائزہ
۳۔ مولانا مودودی کا اسلوب نگارش

نوٹ: انشاء اللہ یہ سیمینار افتتاحی اور اختتامی اجلاس کے علاوہ سات ورکنگ سیشن پر مشتمل ہوگا۔

☆☆☆